شعاع
جولائی 2025

Digest Novels Lovers Group

عیشہ حسین

دل سات سمندر

وہ سبز رنگ کا کام دار لباس پہنے منہ پھلائے بادلوں کی اوٹ میں چھپے چاند کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی اپنی کزن سے ایک چھوٹی سی بات پہ بحث ہوئی تھی اور اب وہ مہندی کا فنکشن چھوڑ چھاڑ کر باہر سیڑھیوں پہ بیٹھی تھی۔ تب ہی ایک ادھیڑ عمر کا آدمی اس کے قریب آ کر بیٹھا تھا اور جیب سے ایک سونے کا بریسلیٹ نکال کر اس کی جانب بڑھایا۔

"یہ کیا ہے؟" زنجیر تھام کر اسے دیکھتے ہوئے سترہ سالہ لڑکی نے ناراض لہجے میں پوچھا۔

"ایک بریسلیٹ بس!" اس کے چچا نے مسکرا کر کندھے اچکائے تھے "تمہیں اپنے اندر نرمی لے کر آنا چاہیے۔ زندگی مشکل ہے اور اس میں سمجھوتا کرنا پڑتا ہے۔ بہت سی چیزوں کو معاف کر کے آگے بڑھنا پڑتا ہے۔ انسانوں کی ایک غلطی پہ ان کو اپنی گڈ لسٹ سے نکال نہیں دیتے بلکہ ان کی اچھائی یاد کر کے ان کو مارجن دیتے ہیں۔ بات چیت سے مسئلے حل کر کے صلح کرنا ایک ایسا آرٹ ہے جو تمہیں بہت نفع دے گا صفیہ۔"

"میرے لیے معاف کرنا مشکل ہے۔" وہ بریسلیٹ کلائی میں پہنی ناک سکوڑ کر بولی تھی۔ بادلوں کی اوٹ سے نکلے پورے چاند کی روشنی میں سنہری دھات چمک رہی تھی۔

"لیکن یہ تمہاری زندگی آسان بنا دے گی۔" اس کے چچا اس کا سر تھپک کر اٹھ گئے تھے۔ اور اس نے سنہری دھات کی ٹھنڈک کو اپنی کلائی پر محسوس کیا تھا۔

"اور اگر کوئی ایسی غلطی ہو جسے معاف نہ کیا جا سکے تو؟" اس سوال پر جیسے ٹھنڈی ہوا، سیاہ رات اور پورے چاند نے رک کر دلچسپی سے اسے دیکھا تھا۔

"تو یہ دیکھنا غلطی کیوں اور کیسے کی گئی تھی۔ حالات کیا تھے۔" اس کے چچا پلٹ کے مسکرائے تھے اور ساتھ ہی کلائی کی جانب اشارہ کیا تھا جس میں وہ سنہری بریسلیٹ چمک رہا تھا۔ وہ سمجھ گئی تھی۔

صلح...... یہ صلح کی کہانی تھی۔

جس کا رنگ اگر زمرد جیسا سبز نہیں تو درختوں کے پتوں اور ہریالی جیسا سبز ضرور تھا کیونکہ اس میں تحفظ اور سکینت کی ٹھنڈک تھی۔

☆☆☆

ہمیں لگتا ہے کہ زندگی بدلنے میں وقت لگتا ہے لیکن حقیقتاً بدلاؤ بس ایک لمحے کا محتاج ہے۔ صفیہ اپنے کمرے کی بالکونی میں کھڑی تھی۔ اس نے آف وائٹ گھیر دار سلک کی کام دار فراک پہن رکھی تھی اور کندھے پہ میرون کام دار دوپٹا تھا۔ اس کے عقب میں دکھتا کمرا سفید اور سرخ گلابوں سے سجا تھا۔ پریشان چہرا لیے وہ اندھیرے میں کھڑی تھی۔ سوچوں میں گم وہ چونکی تھی جب سامنے پورچ میں سفید لینڈ کروزر رکی تھی۔ گاڑی کا دروازہ کھلا تھا اور آذر درانی باہر آیا تھا۔ نکاح کے بعد وہ اسے آج دیکھ رہی تھی۔ تین دن سے وہ یہاں موجود تھی لیکن اس آدمی کا کوئی اتا پتا نہیں تھا۔ اس کے تنے اعصاب ڈھیلے ہوئے تھے۔ اس پورے گھر میں بس وہی مانوس لگتا تھا۔

آذر بنگلے کے اندر آنے کے بجائے دائیں طرف بڑھا تھا۔

مکمل ناول

کچھ سوچ کر وہ باہر آئی۔ گھر میں چھل پہل جاری تھی۔ ملازم گھوم پھر رہے تھے۔ وہ گھر کے باقی افراد کے ساتھ کسی دعوت میں جانے کے لیے تیار تھی۔ داخلی دروازے سے باہر آکر وہ اسی جانب بڑھی تھی جہاں وہ گیا تھا۔ وہ ایسے بغیر بتائے کیسے اتنے دن کے لیے غائب ہوسکتا تھا؟

صفیہ کو غصہ آیا تھا۔ گھر میں پوچھنے پہ بھی کسی نے اسے تسلی بخش جواب نہیں دیا تھا۔ اور اس نے ایک بار بھی اس کی کال نہیں اٹھائی تھی۔ بنگلے کے ساتھ ایک انیکسی بنی تھی۔ ایک طرف سے سیڑھیاں اوپر کھلی چھت پہ جاتی تھیں۔ آخری سیڑھی پہ ملازم بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔ اس کو آتا دیکھ کر وہ جیسے حواس باختہ ہوا تھا۔

''بی بی! آپ؟''

''آذر اوپر گئے ہیں؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے سیڑھیوں کو دیکھا۔

''نن...... نن...... نہیں...... تو'' وہ ہکلایا تھا۔

''میں نے خود دیکھا ہے۔ پیچھے ہٹو۔'' وہ برہم ہوئی تھی۔ کچھ وہ پہلے ہی زندگی سمیت ہر چیز سے بیزار تھی اوپر سے اس نے کھڑکی سے کسی لڑکی کو اوپر جاتے دیکھا تھا۔

''صاحب نے منع کیا ہے بی بی۔'' ملازم نے ہونقوں کی طرح اس کی شکل دیکھی۔

''مطلب وہ اوپر ہی ہیں۔ ہٹو سامنے سے۔''

وہ فراک سنبھالتی آگے بڑھی اور ملازم کو بادل نخواستہ ہٹنا پڑا تھا۔ اوپر کھلی سی چھت تھی اور میز کرسیاں رکھی گئی تھیں اور عقب میں خالی جگہ تھی۔ وہ اس طرف آئی تھی۔ آگے بڑھتے ہوئے اس کے قدم جیسے زمین نے جکڑ لیے تھے۔ سامنے منظر ایسا تھا کہ اسے لگا تھا آسمان ٹوٹ کر اس کے سر پہ آن گرا تھا۔

گیسٹ روم کی دیوار کے ساتھ آذر کھڑا تھا۔ اور اس کے ساتھ...... صفیہ کوشش کے باوجود بھی سانس اندر نہیں کھینچ سکی تھی۔ اس کے ساتھ علیشا کھڑی تھی۔ نیلی آنکھوں والی وہ لڑکی جو اس کے پاگل چھوٹے بھائی کی بیوی تھی۔ دونوں اتنے قریب کھڑے تھے کہ اس کو سمجھنے میں چند لمحے لگے تھے۔ آذر اس سے کوئی بات کرتا اس کے منہ پہ دھواں چھوڑ رہا تھا۔ اس کی نظروں کا ارتکاز محسوس کر کے دونوں نے بیک وقت پلٹ کر اس طرف دیکھا تھا۔ علیشا بوکھلا کر پیچھے ہونے لگی تھی اور آذر نے صفیہ کو گھورتے ہوئے اسے مزید قریب کیا تھا۔

''آذر......'' علیشا نے اسے گھورا تھا۔ ''وہ دیکھ رہی ہے۔''

وہ اس کے اتنے قریب تھی کہ اس کا سانس اپنے چہرے پہ محسوس کر رہی تھی۔

''تو......'' آذر کی نظریں صفیہ پر گڑی تھیں۔ جو اسے پلکیں جھپکے بنا شاک سے دیکھے جا رہی تھی۔ اس کے کندھے سے میرون بھاری دوپٹا سرک کر زمین پہ جا گرا تھا اور آنکھوں میں اکٹھی ہوتی نمی نے منظر کو دھندلا کر دیا تھا۔

وہ الگ نہیں ہوئے تھے، صفیہ کو نظریں جھکانی پڑی تھیں۔ اس نے بڑی دقت سے سانس اندر کھینچا تھا۔

''بیوی ہے تمہاری۔'' علیشا شرارتی انداز میں ہنستے ہوئے اس سے الگ ہو کر آگے بڑھی تھی۔

''اچھی لگ رہی ہو!'' اس کے قریب سے گزرتے ہوئے علیشا نے سرگوشی کی تھی اور اس کے چہرے پہ آئی لٹ کو نرمی سے چھوا تھا۔ صفیہ نے پلکیں جھپکی تھیں اور نمی اب اسے اپنے گالوں پہ بہتی محسوس ہوئی تھی۔ سرخ کام دار لباس پہنے علیشا کسی دلہن کی طرح سج سج چلتی سیڑھیوں کی جانب بڑھی تھی۔ اس کے جانے کے بعد آذر نے سگریٹ زمین پر پھینکا اور جوتے سے مسل کر اس تک آیا تھا۔

''یہاں کیا کر رہی ہو؟'' وہ اس کے عین سامنے آ کے رکا تھا۔

''یہ سب کیا تھا؟'' صفیہ نے گیلی آنکھوں سے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔

''برے شوہر کو کیسے ڈیفائن کرو گی؟'' وہ بے تکلفی سے سوال پوچھ رہا تھا۔ اس نے جواباً بس شاک اور حیرت سے اس کا وجیہہ چہرا دیکھا تھا۔ جو اپنی ساری خوب صورتی کھو چکا تھا۔

digest library.com

"براشوہر وہ ہوتا ہے جو ہاتھ اٹھائے؟ گھر سے باہر دوسری عورتوں سے غلط تعلقات رکھے؟ شراب وغیرہ پیے؟ رائٹ؟"

آذر نے اس کا گال تھپتھپایا کے تائیدی نظروں سے اسے دیکھا اور وہ جیسے ہوش میں آئی تھی۔ اس کا لمس پہ جسم ناگوار لگا تھا۔ وہ پہلے چند قدم پیچھے ہٹی اور جھک کر اس کے قدموں سے اپنا دوپٹا اٹھا پھیلا کر سر اثبات میں ہلایا اور۔ ماؤف ہوتے دماغ سے غیر ارادی طور پر جہاں آذر نے چھوا تھا وہاں سے گال کو دوپٹے سے رگڑا تھا۔

"یہ ساری خامیاں ہیں میرے اندر صفیہ جمال، میں ایک برا مرد ہوں۔ میں یہ سب کچھ کرتا ہوں۔ اور تم بس ایک سیاسی بیوی ہو۔ نام کی بیوی، میں نے تمہیں پناہ دی ہے۔ گھر دیا ہے، کھانا دیا ہے پیسے دیے ہیں۔ بدلے میں تم میری زندگی میں کسی قسم کی کوئی مداخلت نہیں کرو گی۔ تمہارا کام مجھے بس ایک نارمل فیملی کا کور اپ دینا ہے۔ گھر سنبھالنا اور میرے ساتھ فنکشنز پہ جا کر مسکرا کر تصویریں کھنچوانا ہے۔ اوکے؟"

وہ تمسخرانہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ جواب نہ ملنے پہ ایک نظر غلط اس پہ ڈال کر وہ آگے بڑھ گیا تھا۔ وہ وہیں بت بنی کھڑی رہی تھی۔ پیچھے ملازم سیڑھیوں پہ کھڑا وضاحتیں دے رہا تھا۔ رات کی سیاہی جیسے صفیہ کے نصیب میں گھل رہی تھی۔

"بس ایک کام تھا تمہارا جمعہ خان۔" آذر کی برہم آواز آئی تھی۔

"صاب جی! میں نے روکا تھا۔ پر بی بی جی نے بات ہی نہیں سنی۔" وہ منمنایا تھا۔

اسے برا بھلا کہتا آذر آگے بڑھ گیا تھا اور پھر خاموشی چھا گئی تھی۔ چچا کی موت سی ایس ایس میں تیسری بار ناکامی اور آذر سے شادی! اس پہ آسمان جیسے ٹکڑوں میں ٹوٹ کے گرا تھا۔ اس نے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں صاف کیں اور سیڑھیوں کی جانب بڑھی۔ تیز تیز چلتی اپنے کمرے میں داخل ہوئی۔ صد شکر کہ کسی سے سامنا نہیں ہوا تھا۔ وہ شیشے کے سامنے کھڑا کف بند کر رہا تھا۔ اس نے صفیہ کی سرخ ہوتی آنکھیں دیکھی تھیں اور طے نہیں کر پایا تھا وہ غصے سے سرخ تھیں یا تکلیف سے۔ اندر کہیں صفیہ پہ اسے ترس آیا تھا لیکن پھر یاد آیا تھا وہ فاروق درانی کا انتخاب تھی۔ وہ یہ ڈیزرو کرتی تھی۔

"چلیں؟" آذر نے ابرو اچکائے اور صفیہ کو اس کی سب سے بڑی خوبی کا اندازہ ہوا تھا۔ وہ توہین کرنے میں ماہر تھا۔

"سیاسی بیوی...... مائی فٹ!" آئینے میں اسے دیکھتے وہ رندھے گلے کے ساتھ غصے سے پھنکاری تھی اور زیورات نوچ کر اتارے تھے۔ آذر نے آنکھوں میں استہزا لیے اسے دیکھا اور مونچھوں سے جھلکتے اس کے ہونٹوں پہ تمسخرانہ مسکراہٹ پھیلی تھی۔

"جیسی تمہاری مرضی!" وہ قریب سے گزر کر باہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔ اس کے جاتے ہی صفیہ نے بالوں کو گول مول جوڑے میں باندھا اور بیڈ کے نیچے سے سوٹ کیس باہر نکالا۔ پھر الماری سے کپڑے نکال کر اس میں پھینکتے ہوئے وہ ساتھ ساتھ بے آواز روئے جا رہی تھی۔ اسے بس صبح ہونے کا انتظار کرنا تھا۔

☆☆☆

صفیہ جمال نے ناپ تول کر دیکھا تھا سب سے بھاری وزن اپنے کہے الفاظ کا ہوتا تھا۔

وہ ایک درمیانے درجے کے گھر کے لاؤنج میں سر جھکائے بیٹھی تھی۔ قریب ہی سوٹ کیس رکھا تھا اور خاموش لاؤنج میں اس کی چچی کی آواز گونج رہی تھی۔

"تم اسے نہیں چھوڑ سکتیں اور نہ ہی تم ایسے یہاں رہ سکتی ہو۔" اس کی ساری روداد سن کر انہوں نے بس اتنا کہا تھا۔

"جس طرح آئی ہو، ایسے ہی واپس چلی جاؤ صفیہ۔" وہ سرد لہجے میں بولی تھیں۔

"پر...... چچی ...... میں ...... اتنی ذلت کے ساتھ کیسے؟" اس نے روئی روئی آنکھوں سے ان کو دیکھتے ہوئے لب کاٹے تھے۔

"زندگی ذلت ہی ہے صفیہ۔" وہ زچ ہو کر بولی تھیں۔

''میں نے اور تمہارے چچا نے تمہیں اپنی بیٹی کی طرح پالا ہے۔ کبھی کوئی فرق نہیں کیا۔ اپنی بیٹی سے پہلے تمہاری شادی کی۔ لیکن اب بس...... میں اور کیا کروں تمہارے لیے؟ ایک بات لکھ کر رکھ لو۔ تمہارے چچا مر چکے ہیں۔ وہ پرانی زندگی اب ختم ہو چکی ہے۔ میرے ہاتھ دیکھو۔''

انہوں نے ہاتھ جوڑ کر اسے دکھائے تھے اور وہ بے بسی سے ان کو دیکھے گئی تھی۔

''مجھے نیہا کی شادی کرنی ہے۔ تم طلاق لے کے گھر بیٹھو گی تو اس کی شادی متاثر ہو گی۔ اور چلو بالفرض تم نے طلاق لے لی۔ آگے کیا کرو گی؟ میں نیہا کے ساتھ رہوں گی۔ تم یہاں اکیلے کیسے رہو گی؟ حالات دیکھے ہیں؟ اور میں اب تمہاری ذمہ داری نہیں اٹھا سکتی۔ سکت نہیں ہے اب مجھ میں۔'' وہ روہانسی ہو گئی تھیں۔

''وہ جیسا بھی ہے۔ عزت، روٹی اور چھت تو دے رہا ہے نا۔ اس کا باپ تمہارے باپ اور چچا کا دور کا رشتہ دار اور دوست تھا۔ وہ تمہارے ساتھ کچھ الٹا سیدھا نہیں کریں گے۔ اور ہو سکتا ہے وہ بدل جائے۔'' اس کی چچی کا لہجہ اب سمجھانے والا ہو گیا تھا۔

''فطرت نہیں بدلتی۔'' اس نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

''وہ ایک برا مرد معاشرے کے باقی برے مردوں سے بچالے گا صفیہ! تو تم اب فیصلہ کر لو، اس ایک برے مرد کے ساتھ رہنا ہے یا معاشرے کے سارے بڑے مردوں کو برداشت کرنا ہے۔ کیونکہ حقیقت یہی ہے۔'' وہ سخت لہجے میں بولی تھیں۔

''مما...... آپ......'' نیہا نے صفیہ کا اترا چہرہ دیکھ کر مداخلت کی کوشش کرنا چاہی تھی لیکن اس کی ماں نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا اور جواب طلب نظروں سے صفیہ کو دیکھا تھا۔

سامنے صوفے پہ بیٹھی صفیہ نے ایک نظر نیہا کو دیکھا پھر اس کے عقب میں دیوار پہ لگی فیملی فوٹو کو جس میں وہ چاروں تھے۔ چچا اور چچی صوفے پر بیٹھے تھے اور ان کے قدموں میں بیٹھی ہوئی نیہا اور صفیہ تھیں، اس نے فیصلہ کر لیا تھا وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور واش روم میں آئی۔ نل کھول کر اس نے موبائل تھامے ہاتھ کو سنگ مرمر کے سنک پر رکھا تھا اور دوسرا ہاتھ منہ پہ رکھ کر اپنے رونے کی آواز کو دبایا تھا۔ وہ ہچکیوں کے ساتھ رو رہی تھی۔

آتے ہوئے رئیسہ بھابھی نے اسے روکا تھا وہ آذر کے کزن کی بیوی تھیں۔ ان کے الفاظ پانی کی دھار کے ساتھ فضا میں گونجتے تھے۔

''تم اپنے آپ کو مزید ہلکا کرو گی صفیہ۔ اس سب کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔'' آنسو مزید روانی سے بہے تھے۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ عورتیں کیسے ایسے جیسے مردوں کے ساتھ رہ لیتی ہیں۔ چھوڑ کیوں نہیں دیتیں [illegible] کو دفع کرو اور آگے کا سوچو۔ میں تو کبھی ایسے مرد کو برداشت نہیں کروں گی۔ لعنت بھیجوں گی اور آگے کا سوچوں گی۔''

کئی سال پہلے کہے اس کے اپنے الفاظ ہنٹر کی طرح لگے تھے۔ موبائل سامنے شیلف پہ رکھ کر اس نے منہ پہ پانی کے چھینٹے مارے اور نل بند کیا تھا۔ پھر موبائل اٹھا کر آذر کا نمبر ملایا تھا۔

کال ملا کر اس نے آئینے میں اپنے پژمردہ چہرے کو دیکھا بیل جا رہی تھی۔ عزت نفس، وقار، خواب، خواہشیں، امیدیں اور بڑے بڑے دعوے اسی نل کے پانی کے ساتھ گٹر میں بہہ گئے تھے۔ کال نہیں اٹھائی گئی تھی۔ اس نے موبائل کان سے ہٹایا اور پھر سے کال ملائی تھی۔ ہاتھوں میں لرزش تھی۔ تیسری بیل پہ بھی جب کال نہیں اٹھائی گئی تو اس نے آذر کے سکریٹری کا نمبر نکال کر کال ملائی تھی۔ دوسری بیل پہ کال اٹھالی گئی تھی۔

''آذر کے سکریٹری بات کر رہے ہیں۔'' ہیلو کے بعد اس نے پوچھا تھا۔

''جی آپ کون؟'' حیرت سے پوچھا گیا تھا۔

''میں آذر کی بیوی ہوں۔ ان سے بات ہو سکتی

digest library.com

ہے؟" وہ بھیگے لہجے میں بولی تھی۔

"ایک منٹ......" دوسری طرف چند لمحے کی خاموشی کے بعد کہا گیا تھا۔

آذر اپنے آفس میں کسی میٹنگ میں مصروف تھا۔ سامنے میز پہ پڑے اس کے موبائل پہ کال آرہی تھی۔ تین دن تک جب وہ غائب رہا تھا تب بھی اسے اس نمبر سے کال آئی تھی اور پتا چلا تھا یہ صفیہ کا نمبر تھا۔

اس کے موبائل پر پھر سے کال آئی تھی۔ سب نے ایک ساتھ موبائل کی جلتی بجھتی اسکرین کو دیکھا۔ آذر نے موبائل الٹ کے رکھ دیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد میٹنگ ختم ہوئی تھی اور سکریٹری دستک دے کے اندر آیا تھا۔

"سر......" سکریٹری نے متفکر نظروں سے آذر کو دیکھا۔ "ارجنٹ ہے۔ دو منٹ بات سن سکتے ہیں؟"

"کیا ہے؟" آذر نے سر کے خم سے اسے اندر آنے کی اجازت دی تھی۔

"بھابھی کی کال ہے۔ وہ شاید رو رہی تھیں اور آپ سے بات کرنے کا کہہ رہی تھیں۔" سب لوگوں کے باہر نکلتے ہی اس کے سکریٹری نے بولنا شروع کیا تھا اور فون اس کی جانب بڑھایا تھا۔

"پوچھو، کیا کام ہے؟" آذر نے دراز سے سگریٹ نکالا۔

"میں......؟" وہ حیران ہوا تھا سگریٹ منہ میں دبائے اسے لائٹر سے جلاتے آذر نے اثبات سر ہلایا تھا۔

"بھابھی! سر پوچھ رہے ہیں کیا کام ہے۔ وہ دراصل بزی ہیں۔" سکریٹری کی صفائی پیش کرتی مدھم آواز گونجی تھی۔ دوسری جانب صفیہ ان کی گفتگو کسی حد تک سن چکی تھی۔

"مجھے گھر واپس آنا ہے۔ آذر سے کہو، ڈرائیور بھجوادیں۔" وہ آنکھیں بند کر کے ضبط سے بولی تھی۔ یہ اس کی پوری زندگی میں بولے گئے سب سے بھاری الفاظ تھے۔

"بھابھی کہہ رہی ہیں کہ واپس آنا ہے ڈرائیور بھجوادیں۔" سکریٹری نے ماؤتھ پیس کان سے لگائے کہا تھا۔

"پوچھو، گئی کیسے تھیں؟ جیسے گئی تھیں ویسے واپس بھی آجائیں۔" آذر نے سگریٹ کا کش لے کر دھواں فضا میں چھوڑا اور محظوظ سے لہجے میں بولا تھا۔

(سیاسی بیوی...... مائی فٹ) اس کے کانوں میں صفیہ کے الفاظ گونجے تھے۔

سکریٹری نے متذبذب نظروں سے اسے دیکھا اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا، کیا کہے اور کیسے کہے؟ تب ہی کان سے لگے فون میں صفیہ کی آواز گونجی تھی۔

"اپنے سر سے کہو۔ میں ٹیکسی سے یہاں آئی تھی۔ واپس ٹیکسی سے ان کے محل میں جاؤں گی تو ان کے اونچے شملے پہ داغ لگ جائے گا۔ ورنہ مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" دوسری جانب وہ اس کی بات سن کر اونچی آواز میں بولی تھی۔

آذر کے چہرے پر مسکراہٹ رینگ گئی تھی۔ رسی جل گئی تھی پر بل نہیں گئے تھے۔ سکریٹری نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ اتنا تو وہ جان چکا تھا کہ وہ صفیہ کی آواز سن چکا تھا۔ اس کی آواز اسپیکر سے باہر آرہی تھی اور سکریٹری بالکل اس کی میز کے قریب کھڑا تھا۔

"کہو چار بجے تک آجائے گا ڈرائیور۔" آذر نے سگریٹ ایش ٹرے میں جھاڑا اور سیدھا ہو بیٹھا تھا۔

"بھابھی! چار بجے تک پک کرلے گا ڈرائیور۔" سکریٹری کے کہنے کی دیر تھی کہ دوسری جانب کھٹاک سے کال کاٹ دی گئی تھی۔

"سر! ڈرائیور کو کال کر کے چار بجے کا کہوں؟" سامنے کھڑے نوجوان نے بے اختیار سوال کیا تھا۔ پتا نہیں کیوں اسے آذر کا رویہ برا لگا تھا اور اس لڑکی پہ ترس آیا تھا۔

"اونہوں!" آذر نے فائل کھولتے ہوئے سر ہلایا تھا۔ "میں خود چھ بجے تک پک کرلوں گا۔"

اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن پھر وہ خاموش ہو گیا اور باہر نکل گیا تھا۔ یہ آذر درانی کا پرسنل میٹر تھا۔

"اکڑ توڑنے کے لیے انتظار کروانا ضروری ہے۔" آذر نے سوچا تھا۔ وہ لڑکی فاروق درانی کا انتخاب

تھی۔ فاروق درانی...... جس نے اس کی ماں کو بہت اذیتیں دی تھیں۔ پر کیا صرف فاروق درانی نے اسے اذیتیں دی تھی؟ اس کے اندر کسی نے سوال کیا تھا۔

☆☆☆

اس کی روانی سے بہتی زندگی درہم برہم ہوئی تھی۔ جب ہارٹ اٹیک سے اچانک اس کے چچا وفات پا گئے تھے۔ اس کے بعد فاروق درانی نے رشتہ مانگا تھا اور چچی نے ہاں کہہ دی تھی۔ صفیہ ستائیس سال کی تھی اور آذر تقریباً چالیس سال کا تھا۔ آج کے دن اپنی عزت نفس اور وقار اس کے قدموں میں ڈالے وہ اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی تھی۔ وہ لوگ فنکشن سے باقی سب کی نسبت جلدی واپس آگئے تھے۔ گاڑی پورچ میں رکی اور ایک نوکر بھاگتا ہوا آیا تھا۔

"صاحب جی! وہ عثمان جی کو پھر سے دورہ پڑا ہے۔ اور ان کو چوٹ بھی لگی ہے۔"

آذر جواب دیے بغیر باہر نکلا اور بنگلے کے ایک طرف بنی انیکسی کی جانب بڑھا تھا۔ صفیہ نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ بند کیا چند لمحے رک کر سوچا اور پھر اسی طرف آئی تھی۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ عثمان نوکر سے ہاتھا پائی کر رہا تھا۔ وہ اس بے لگام عورت کے شوہر کو ایک نظر دیکھنا چاہتی تھی۔

"عثمان......" آذر نے نرمی سے اسے پکارا۔

اس کی آواز سن کر عثمان رکا تھا۔

"ہاتھ مت لگاؤ مجھے۔" وہ غرایا تھا۔ صفیہ نے وہ پچیس چھبیس سال کا نوجوان، بڑھی ہوئی داڑھی، سرخ آنکھیں اور آذر جیسے نقوش! اس کے سر سے خون نکل رہا تھا جو لکیر کی صورت کنپٹی سے بہتا گردن تک آیا ہوا تھا۔

"پیچھے ہٹو!" آذر نے نوکر کو جانے کا اشارہ کیا اور اس کے نزدیک آیا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟" وہ نرمی سے اسے کندھوں سے پکڑ کر بٹھاتے ہوئے بولا تھا۔

"ان سے کہیں، مجھے ہاتھ نہ لگائیں۔" وہ ناراض لہجے میں ہانپتے ہوئے بولا۔

"اچھا بھئی...... نہیں لگائیں گے۔" آذر نے ایک طرف رکھا رومال اٹھایا تھا۔ دروازے میں کھڑی صفیہ کو یقین نہیں آیا تھا۔ یہ وہی بداخلاق انسان تھا جس کے ساتھ وہ اتنے دنوں سے رہ رہی تھی۔

"چوٹ کیسے لگی؟" رومال اس کے ماتھے پہ رکھے آذر اس کے ساتھ بیٹھا اور پوچھا۔ اس سوال پہ اس کی آنکھوں کے بدلتے تاثرات صفیہ نے واضح محسوس کیے تھے۔ وہ چپ رہا تھا۔

"ادھر آؤ صفیہ! یہ رومال دبا کر رکھو۔ میں فرسٹ ایڈ کٹ لے کے آیا۔" آذر نے دروازے میں کھڑی صفیہ کو بلایا تھا۔

"میں......؟" اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلی تھیں۔

digest library.com

"تمہارے علاوہ یہاں کوئی اور ہے؟" وہ ابرو اچکا کر بولا تھا۔

"کون ہو تم؟" اس کے جانے کے بعد عثمان نے سنبھلے ہوئے لہجے میں پوچھا تھا۔

"آذر کی بیوی۔" اس نے تھوک نگلا اور ڈرتے ڈرتے بولی تھی۔

"پیچھے ہٹو!" وہ تحکم سے بولا تھا اور صفیہ چپ چاپ پیچھے ہٹ گئی تھی۔

اس نے خاموشی سے اردگرد دیکھا ایک طرف دیوار پہ اس کی شادی کی تصویر لگی تھی، ساتھ ہی فریم ہوئی ڈگریز بھی لٹکی تھیں وہ اور علیشا مسکرا رہے تھے۔ صفیہ نے ان تصویروں کو دیکھا تھا۔

"یہ تم ہو؟ اور یہ تمہاری ڈگریز ہیں؟" اس کی آواز میں بے یقینی تھی۔

"نہیں ڈگریز خرید کے لگائی ہیں اور ساتھ یہ میرا بھوت ہے۔" وہ تپے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔

"اس میں غصہ کرنے والی کیا بات ہے؟" صفیہ نے پلٹ کر ایک نظر غلط اس پہ ڈالی تھی۔

"تم وہی ہو نا، جو سی ایس ایس ایگزام میں تین دفعہ فیل ہوئی ہو؟" وہ بہتے خون سے بے پروا اس کی پشت کو گھورتے ہوئے بولا۔ سیاہ ستاروں سے بھری

ساڑھی اور کمر پر گرتے گہرے بھورے لمبے بال......
اسے وہ پہلی نظر میں ہی اچھی لگی تھی۔

"تمہیں کیسے پتا؟" صفیہ نے سینے پہ ہاتھ باندھے ذرا سا رخ موڑ کے اسے دیکھا۔ سیاہ ساڑھی پہ گردن سے چپکا سبز نگینے جڑا سنہری سیٹ اس کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہا تھا۔

"ملازم بات کر رہے تھے۔" وہ کندھے اچکا کر بولا۔

"پاگل لگتے نہیں ہو ویسے!" صفیہ نے سر سے پیر تک ایک نظر اسے دیکھا تھا۔

"ہوں بھی نہیں۔" وہ دوبدو بولا تھا۔

"زخم کو کور کرو، تمہارے بھائی نے دیکھا تو مجھ پہ غصہ ہوگا۔" عثمان نے ایک نظر اسے دیکھا وہ ضدی تھا، بات نہیں مانتا تھا۔ لیکن اس نے جھک کر رومال اٹھا کر زخم پہ رکھ لیا تھا۔ اتنے میں آذر فرسٹ ایڈ باکس لیے چلا آیا۔

"ہاتھ مت لگاؤ مجھے۔" آذر جو اس کے زخم کی طرف ہاتھ بڑھا رہا تھا، اس کی آواز پہ رکا تھا۔ قریب کھڑی صفیہ دروازے کی جانب بڑھی تھی۔

"تو زخم کی ڈریسنگ کیسے کروں؟" آذر نے غصہ کیے بغیر اس کی آنکھوں میں دیکھتے عثمان سے سوال کیا تھا۔

"اس سے کہیں، یہ لگا دے۔" عثمان ایسے ہی ڈھٹائی سے بولا تھا اور صفیہ کے قدم تھمے تھے۔

"صفیہ......" آذر اسے پکار کر اپنی جگہ سے اٹھا اور ہاتھ سے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔ تھوک نگل کر وہ آکر اس کے سامنے بیٹھی اور فرسٹ ایڈ باکس کھولا، آذر قریب ہی سینے پہ ہاتھ باندھے کھڑا ہو گیا تھا۔

"پیاری لگ رہی ہو۔" وہ روئی پہ دوا لگائے اس کا زخم صاف کر رہی تھی جب اس نے انگریزی میں کہا تھا۔ صفیہ نے قریب کھڑے آذر کو دیکھا اور آذر نے چونک کر عثمان کو دیکھا تھا۔

"تھینکس!" بال ایک ہاتھ سے کان کے پیچھے اڑس کر اس نے دوا اٹھائی تھی۔ کلائی میں پہنی سونے کی چوڑیاں کھنک رہی تھیں۔

"سی ایس ایس میں فیل کیوں ہوئی تھیں؟" وہ آذر کو ایسے نظر انداز کر رہا تھا جیسے وہ وہاں موجود ہی نہیں تھا۔

"پتا ہوتا تو پاس نہ ہو جاتی۔" صفیہ انہماک سے زخم پہ دوا لگا رہی تھی۔

"اسی لیے تو پوچھ رہا ہوں۔ پاس ہونے کا پریشر تھا یا فیل ہونے کا ڈر؟" وہ مسلسل اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ پاس کھڑے آذر نے حیرانی سے اسے دیکھا تھا۔ اس نے ایک عرصے بعد ایسے بات کی تھی۔

"پاس ہونے کا پریشر!" صفیہ کھڑی ہوئی تھی اور پھر سوچ کے بولی۔

"گڈ!" عثمان مسکرایا تھا۔ آذر کو پتا نہیں کیوں ناگوار گزر رہا تھا۔ اس نے بے چینی سے پہلو بدلا تھا۔ صفیہ خاموش رہی اور تب ہی ٹک سک سے تیار علیشا اندر آئی تھی۔

"ارے......کیا ہوا؟" اس نے حیران ہونے کی پوری اداکاری کی تھی۔

"چوٹ لگ گئی تھی۔" آذر نے جواب دیا تھا۔ عثمان اور صفیہ کے چہرے پہ ایک ساتھ ناپسندیدگی پھیلی تھی۔

"ڈاکٹر کو بلایا؟" وہ متفکر سی آگے آئی تھی اور ایک چبھتی نظر عثمان کے سامنے بیٹھی صفیہ پر ڈال کر سوالیہ نظروں سے آذر کو دیکھا تھا۔ آذر کی طرح وہ بھی حیران تھی۔ عثمان کہاں کسی کو اتنے قریب آنے دیتا تھا۔

"زیادہ چوٹ نہیں آئی۔ صفیہ دوا لگا رہی ہے۔" آذر نے برے موڈ میں جواب دیا تھا۔

"یہاں کیوں آئی ہو؟" علیشا کو دیکھتے ہی عثمان کا موڈ ایک لمحے میں بدلا تھا۔

"میں......وہ......" اہانت سے علیشا کا سپید چہرہ سرخ ہوا تھا۔ عثمان پہلی بار اس کے ساتھ ایسا نہیں کر رہا تھا لیکن صفیہ کے سامنے ایسی بے عزتی۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" عثمان نے چٹکی بجا کر اسے باہر جانے کا اشارہ کرتے دھاڑ کر کہا۔

اونچی آواز سے صفیہ لرز گئی تھی اور چیزیں سمیٹنے لگی تھی۔

"تم یہاں ہی رہو گی ناں؟" اسے دیکھ کر عثمان نے لہجہ ایک دم سے بدل کر نرمی سے پوچھا اور تینوں ایک ساتھ ساکت ہوئے تھے۔

صفیہ نے باکس بند کر کے اسے دیکھا اور مسکرا کر سر ہلا یا دیا تھا۔

"ڈریسنگ چینج کرنے آؤ گی؟" وہ پر اعتماد مگر نرم لہجے میں بولا۔ نظریں اس کے چہرے پہ گڑی تھیں۔ اس کی نظریں بری نہیں تھیں۔

دروازے سے باہر نکلتی علیشا کو لگا، کسی نے اسے ٹرک سے کچل دیا تھا۔ صفیہ نے سوالیہ نظروں سے قریب کھڑے آذر کو دیکھا۔

"آجائے گی۔" آذر نے صفیہ کا بازو تھام کر اسے اٹھایا تھا اور دونوں باہر نکل آئے تھے۔ کمرے سے باہر نکل کر صفیہ نے چبھتی نظروں سے اسے دیکھتے غیر محسوس طریقے سے، اپنے بازو کو اس کی گرفت سے چھڑا لیا تھا۔

(اتنا نخرہ!) آذر نے ابرو اچکا کر اس کی پشت کو گھورا وہ آگے بڑھ گئی تھی۔ ایک بار پلٹ کے دیکھا نہیں۔ وہ وہیں گھاس پہ رک گیا تھا۔ اس نے علیشا جیسی بے لگام اپنی طرف مائل کرنے والی عورتیں اور رئیسہ جیسی چپ چاپ سب کچھ برداشت کرنے والی عورتیں دیکھی تھیں جو "پرفیکٹ بیوی" کے زمرے میں آتی تھیں اور مریم اپنی ماں جیسی باغی عورتیں دیکھی تھیں۔ لیکن وہ صفیہ جیسی عورت سے پہلی بار ملا تھا۔ عثمان کا رویہ یاد آیا تھا اور اس کے ماتھے پہ ناگواری سے بل پڑے تھے۔

کمرے میں آ کر وہ ڈریسنگ ٹیبل کے ساتھ بیٹھی اور جیولری اتارنے لگی اور تب ہی آذر اندر آیا تھا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں دوبارہ انیکسی کی طرف جانے کی، عثمان کو دورے پڑتے ہیں اور وہ چیزیں اٹھا کر مارتا ہے۔" اس نے ناگواری چھپانے کی پوری کوشش کی تھی۔

"اوکے!" کانوں سے جھمکے اتارتی صفیہ نے ایک اچٹتی نظر اس پہ ڈالی اور بے نیازی سے سر ہلا دیا تھا۔

لیکن اس کے ہاتھوں کی رفتار سست ہوئی تھی اور وہ پرسوچ نظروں سے آئینے میں دیکھتے اپنے سراپے کو دیکھنے لگی تھی۔ وہ باہر نکل گیا تھا اور صفیہ مسکرائی تھی۔

☆☆☆

اچھا کردار خوب صورتی کا محتاج نہیں ہوتا لیکن خوب صورتی ہمیشہ اچھے کردار کی محتاج رہے گی۔ یہ سبق صفیہ کو زندگی نے دیا تھا۔ وہ مردان میں اس کے آبائی گھر میں رہتی تھی۔ وہ ڈی آئی جی تھا اور اسلام آباد میں تعینات تھا۔ کئی کئی دن بعد گھر واپس آتا تھا۔

ملازم کو زور زور سے آوازیں دیتا وہ کمرے میں آیا۔ ایک نظر اس پہ ڈالی تھی جو لحاف اوڑھے صوفے پر نیم دراز تھی۔

"ملاقات کرنی ہے تو میں کھڑی ہو جاتی ہوں۔" وہ سادگی سے بولی تھی۔ "جمعہ خان شاید کہیں مصروف ہے۔"

"کیس کی فائل منگوانی ہے اس سے۔" تندی سے اسے دیکھتے آذر کو تین سیکنڈ لگے تھے اس کی بات سمجھنے میں اور نا چاہتے ہوئے بھی وہ وضاحت دے گیا تھا۔

"کافی دنوں بعد آنا ہوا؟" بے نیازی سے صفحہ پلٹا گیا تھا۔

"اب یہ مت کہنا کہ تم نے مس کیا ہے۔" وہ کوٹ اتار کے بیڈ پہ پھینک کر الماری کی جانب بڑھا تھا۔

"توہین اچھی کرتے ہیں آپ۔" وہ متاثر ہوئے لہجے میں بولی تھی اور آذر واش روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔

دروازے پہ دستک ہوئی تھی اور صفیہ اٹھ کر دروازے تک آئی تھی سامنے سیاہ سلیولیس ساڑھی اور سرخ لپ اسٹک لگائے علیشا کھڑی تھی۔

"آذر ریڈی ہیں؟" بتانے والے لہجے میں پوچھا گیا تھا۔

digest library.com

"نہیں۔" اس نے اثر لیے بنا سر نفی میں ہلایا تھا اور دروازہ وا کر دیا۔ "اندر آؤ گی؟" اس رویے پہ علیشا ذرا سا بوکھلائی، وہ تو کسی اور چیز کی امید کر رہی تھی۔

"نہیں، ان کو بتا دینا۔ میں باہر انتظار کر رہی ہوں۔" وہ مسکرائی اور معنی خیز نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"اوکے!" صفیہ نے دروازہ کھٹاک سے اس کے منہ پہ بند کیا اور واپس آ کر لیٹی تھی۔

آذر چینج کر کے باہر نکلا۔ جینز پہ شرٹ پہنے گنگناتے ہوئے وہ آئینے کے سامنے رکا تھا۔

"آپ کے کیس کی فائل باہر آئی تھی۔" وہ مصروف سی بولی تھی۔

"کیا......؟" برش کرتے آذر نے آئینے میں اسے دیکھا۔

"علیشا بلانے آئی تھی۔ باہر انتظار کر رہی ہے۔" آذر نے ایک نظر اسے دیکھا۔ وہ جس صفیہ سے پہلی بار انیکسی کے ٹیرس پہ ملا تھا وہ دوبارہ اس سے نہیں مل سکا تھا۔

"عورتیں ایسی باتوں پہ کتنا واویلا کرتی ہیں اور ایک تم ہو......"

"میں ان عورتوں کی طرح بے وقوف نہیں ہوں جو گھر گندا ہونے پہ کارپٹ بچھاتی ہیں، میں جوتے پہننے کے حق میں ہوں۔" لہجہ عام سا تھا۔

"الماری سے میری جیکٹ نکال دو!" بیڈ پہ بیٹھا آذر جھک کر جوگرز پہنتے ہوئے بولا تھا۔ صفیہ نے کتاب نیچے کی تھی اور آنکھیں سکیڑ کر آذر کو دیکھا۔

"سیریسلی آذر؟ آپ کو واقعی لگتا ہے کہ آپ مجھے اتنا وی آئی پی ٹریٹمنٹ دیں گے اور میں چیزیں لے کے آپ کے آگے پیچھے گھومتی پھروں گی؟"

جوتوں کے تسمے بند کرتے آذر نے سر اٹھا کر ایک نظر اس پہ ڈالی۔ گندمی رنگت اور عام سے نقوش والی وہ لڑکی اپنی اسی زبان درازی کی وجہ سے اسے اچھی لگی تھی۔ وہ اس سے مرعوب نہیں ہوتی تھی۔

"جتنا فوکس زبان چلانے پہ کرتی ہو۔ اتنا فوکس پڑھائی پہ کیا ہوتا تو پاس ہو جاتیں تم۔" وہ چل کر آئینے تک آیا تھا۔

"پہلے یہ سارے کام کون کرتا تھا؟ علیشا یا ملازم؟" وہ اٹھ کر بیٹھی تھی اور اس کا تبصرہ نظر انداز کر کے سوال کیا تھا۔

علیشا کے نام پہ آذر نے آئینے میں اسے گھورا سوجی آنکھیں، کھلے بال اور سرخ گال، پرفیوم اٹھا کر خود پر چھڑکی تھی۔

"مرد ملازم، اب تمہاری موجودگی میں وہ تو آنے سے رہے۔"

"کسی ملازمہ کی ڈیوٹی لگا دیں۔" وہ لحاف ٹھیک کرتی بے نیازی سے بولی۔ "اوہ یاد آیا آپ تو یہاں رہتے ہی نہیں ہیں۔"

"رسی جل گئی پر بل نہیں گئے۔" جیکٹ پہن کے بالوں میں ہاتھ چلاتا وہ دو قدم آگے آیا۔

"مجھ سے تین فٹ دور رہ کر بات کیا کریں آذر۔" صوفے پہ نیم دراز وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی سنجیدگی سے بولی تھی۔

"ورنہ؟" آذر نے گھڑی پہنتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

"میں علیشا نہیں ہوں، مجھ پہ تشدد اور زبردستی آپ افورڈ نہیں کر سکتے۔"

"تم علیشا ہو بھی نہیں سکتیں۔ وہ دنیا کی خوب صورت ترین عورت ہے۔" آذر جتانے والے لہجے میں بول کر پلٹ گیا تھا۔

صفیہ مسکرائی تھی۔ سمجھ میں نہیں آئی تھی بخار کی جلن زیادہ تھی یا اس کے منہ سے علیشا کی تعریف سننے کی۔

"اچھا! لیکن میں نے آپ دونوں سے زیادہ بدصورت چہرے آج تک نہیں دیکھے۔" وہ اسی کے لہجے میں بولی تھی۔ والٹ اور چابیاں اٹھاتے آذر کے ہاتھ رک گئے تھے۔

"تم مجھ سے ایسی باتیں کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہو۔" وہ سخت لہجے میں بولا اور جاتے ہوئے دروازہ زور سے بند کر کے گیا تھا۔

"گستاخی کردی!" صفیہ خود کلامی کے لہجے میں بولی اور جمائی لیتے ہوئے بے دلی سے کتاب پھر سے کھولی تھی۔

☆☆☆

وہ عرش سے فرش پہ گری تھی اور فرش سے پاتال میں دھنس گئی تھی۔ صفیہ اٹھ کے باہر آئی تھی۔ مردان میں ان کے آبائی گھر میں آذر، اس کا باپ فاروق، عثمان اور علیشا رہتے تھے۔ اس وقت سب رئیسہ کی بیٹی کی سالگرہ پہ گئے تھے۔ گھر میں بس وہ اور عثمان تھے۔ صفیہ لان میں آئی، سامنے پول کے کنارے بینچ پہ عثمان بیٹھا تھا۔ وہ چاپ چاپ پول کی دوسری جانب بیٹھ گئی تھی۔

"کیسی ہو؟" عثمان نے بات کا آغاز کیا تھا۔

"میں بدصورت ہوں کیا؟" اس نے عجیب سے لہجے میں سوال کیا تھا۔ عثمان نے سرنفی میں ہلایا۔

"بدصورت لوگ علیشا اور آذر بھائی جیسے ہوتے ہیں۔" وہ عام سے لہجے میں بولا تھا۔ اور صفیہ اس کا چہرہ دیکھے گئی تھی۔

"تم پاگل نہیں ہو۔"

"اور تم بدصورت نہیں ہو۔" وہ اسی کے لہجے میں بولا تھا۔

"ہاں، شاید میرا نصیب بدصورت ہے۔" اس نے ایک ہاتھ پانی کی سطح پر پھیرا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے جیتنے کا پریشر زیادہ ہوتا ہے یا ہارنے کا ڈر؟"

"ہارنے کا ڈر۔" وہ گم صم سی بولی تھی۔

"تو کیا ہوا؟" اس کی آواز پہ صفیہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ بڑھی ہوئی داڑھی کے ساتھ وہ بہت عجیب لگا تھا۔

"کیا مطلب؟"

"فیل ہونے کے بعد کیا ہوا؟" عثمان نے ابرو اچکائے تھے۔

"کچھ بھی نہیں۔" صفیہ نے چند لمحے سوچا تھا اور پھر سرنفی میں ہلایا تھا۔ اس کا سب سے بڑا ڈر مجسم اس کے سامنے تھا اور وہ ٹھیک تھی۔ برباد تھی لیکن زندہ تھی۔

"ایگزیکٹلی" عثمان نے چٹکی بجائی تھی۔ "تم اپنا سب سے بڑا ڈر جی رہی ہو۔ تم صحیح سلامت ہو اور تمہیں کچھ بھی نہیں ہوا صفیہ! تمہارا رزق نہیں رکا۔ سانس چل رہا ہے۔ تم زندہ ہو۔ ٹھیک ٹھاک ہو۔ ہار اور ڈر کے اس پار کچھ بھی نہیں ہے۔ زندگی کبھی نہیں رکتی۔ انسان سروائیو کرنا سیکھ لیتے ہیں۔"

اس کی بات پہ صفیہ زخمی سا مسکرائی تھی۔

"کچھ بھی نہیں ہوا؟" یہ سوال اس نے خود سے پوچھا۔

"برا شوہر دنیا کا آخری کنارہ نہیں ہے۔" وہ پانی کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"مجھے بھی یہی لگتا تھا عثمان۔"

"تو آذر کو چھوڑ دو نا۔" وہ اسی لہجے میں بولا تھا۔ جس لہجے میں کبھی صفیہ دوسروں کو مشورے دیا کرتی تھی۔

"شادی کی تصویر دیکھ کر لگتا نہیں کہ تم ہی ہو۔" اس نے بات بدل دی تھی کیونکہ اس کے کیس میں برا شوہر دنیا کا آخری کنارہ ثابت ہوا تھا۔

"وہاں زیادہ اچھا لگ رہا ہوں؟" عثمان نے سوال پوچھا تھا اور صفیہ نے اٹھتے ہوئے سر ہلایا تھا۔ اس نے ایک چیز محسوس کی تھی۔ آذر کی غیر موجودگی میں وہ نظریں اٹھا کر اسے دیکھ تک نہیں رہا تھا۔

"تم سب کے ساتھ کھانا کیوں نہیں کھاتے؟"

"میرا دل نہیں کرتا۔" وہ کندھے اچکا کر بولا تھا۔ "ان کی شکلیں دیکھنے کا۔"

"کٹ آف ہونا مسئلوں کا حل نہیں ہے۔ مسئلوں کا صرف ایک حل ہے اور وہ ہے ان کو فیس کرنا۔"

"آپ کہتی ہیں تو آجاتا ہوں صفی۔" وہ

مسکرایا تھا۔
"بھابھی!" صفیہ نے نرمی سے تصحیح کی تھی۔
"صفیہ!" عثمان نے کندھے اچکائے تھے اور وہ اٹھ گئی تھی۔
"اب ایگزام دے کر دیکھو۔" عثمان پیچھے سے بولا تھا۔ "جب کوئی راستہ نہ بچے تو زندگی جو تنگ گلی سامنے رکھے، اسی میں آگے بڑھنے میں ہی عافیت ہے۔"
"مجھے لیکچر دینے والا خود اس حال میں کیوں ہے؟" صفیہ نے پلٹ کر ابرو اچکائے تھے۔ عثمان نے بس سر کو خم دیا تھا جواب نہیں دیا تھا۔

digest library.com

☆☆☆

(میں نے آپ دونوں سے زیادہ بدصورت چہرے آج تک نہیں دیکھے)
الفاظ اس کا ایسے تعاقب نہیں کرتے تھے جیسے آج کر رہے تھے۔ گاڑی کئی منزلہ روشن عمارت کے باہر رکی تھی۔
"تمہاری بیوی تھوڑی عجیب نہیں ہے؟" علیشا نے ٹیک لگائے گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا۔ آذر نے ہاتھ بڑھا کر بیک ویو مرر اپنے سامنے کیا تھا اور اپنے وجیہہ چہرے کو دیکھا تھا۔ کیا وہ بدصورت تھا؟
"کیا ہوا؟" علیشا نے اس کے ہاتھ پہ اپنا سپید ہاتھ رکھا تھا۔ اپنے ہاتھ پہ رکھا علیشاء کا ہاتھ دیکھ کر اس نے نظریں اٹھا کر اس کا دمکتا چہرا دیکھا تھا۔ آج وہ خوب صورت نہیں لگا تھا۔ یہ وہی چہرا تھا جس کی وہ چند لمحے پہلے تعریف کر کے آیا تھا۔ اس نے ہاتھ غیر محسوس طریقے سے پیچھے کھینچا تھا۔
علیشا کے لباس کا رنگ آج اس نے پہلی بار نوٹس کیا تھا۔ سیاہ رنگ...... یہ رنگ صرف صفیہ پہ اچھا لگا تھا۔
(میں نے آپ دونوں سے زیادہ بدصورت چہرے آج تک نہیں دیکھے)
گاڑی میں صفیہ کی آواز گونجی تھی۔
"اندر چلیں؟ ہم کس کا ویٹ کر رہے ہیں؟"
علیشاء نے کندھے اچکائے تھے۔
"تم گھر سے کیا کہہ کر آئی تھیں؟" آذر نے گاڑی کا شیشہ نیچے کیا تھا، اسے گھٹن محسوس ہو رہی تھی اور غصہ آ رہا تھا۔
"یہی کہ رئیسہ بھابھی کی بیٹی کی سالگرہ پہ جا رہی ہوں۔" علیشا نے کندھے اچکائے تھے۔
"تو تم سالگرہ پہ جاؤ۔" وہ گاڑی اسٹارٹ کرتا بولا تھا۔
"یہ کیا بات ہوئی۔ اتنی مشکل سے کبھی کبھار اکٹھے باہر آنے کا موقع ملتا ہے آذر۔" وہ بدمزہ ہوئی تھی۔
"تمہیں کیا لگتا ہے؟" وہ گاڑی سڑک پہ ڈال چکا تھا اور علیشا نے متفکر نظروں سے اسے دیکھتے نرمی سے اس کے گال کو چھوا تھا۔ آذر نے اس کا ہاتھ ہٹا کر سر اثبات میں ہلایا تھا۔
"تم سرخ رنگ پہنا کرو علیشا! سیاہ رنگ تم پہ اچھا نہیں لگتا۔" وہ اس کی بات نظر انداز کر کے بڑبڑایا تھا۔
(میں نے آپ دونوں سے زیادہ بدصورت چہرے آج تک نہیں دیکھے)
اسے کچھ بھی سنائی نہیں دے رہا تھا۔ بس کانوں میں اس کے زہر میں بجھے الفاظ گونج رہے تھے۔
گاڑی اس نے رئیسہ کے گھر کے باہر روکی تھی۔ علیشا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی تھی آذر نے گاڑی واپس موڑ لی تھی۔
وہ سیدھا گھر آیا تھا اور دھپ دھپ کرتا سیڑھیاں چڑھ کر اوپر کمرے میں آیا تھا۔ دروازہ دھاڑ سے کھولا۔ سامنے وہ چادر سر سے اتار کر ایک طرف رکھ رہی تھی۔ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔
"بدصورت کیسے کہا تم نے مجھے؟" آذر کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا۔
بال کانوں کے پیچھے اڑستی وہ تکان سے اسے دیکھتی ٹیبل تک آئی تھی۔ جس پہ کھانا لگا تھا۔
"ہمت کیسے ہوئی تمہاری کہ تم مجھے بدصورت

کہو۔" آذر نے اسے گردن سے دبوچا تھا، صفیہ نے دونوں ہاتھوں سے اسے دھکا دیا اور آگے بڑھ کے کھانے سے بھری ٹرالی سے چھری اٹھائی تھی۔

"خبردار...... خبردار جو آپ نے مجھے ہاتھ بھی لگایا تو۔" وہ غرائی تھی، آذر اسے دیکھے گیا تھا۔

"ہاتھ نہیں اٹھانے دوں گی میں آپ کو آذر۔"

صفیہ نے چھری ٹرالی میں پھینکی تھی اور اس کے قریب آئی تھی۔

"بدصورت ہیں آپ!" گیلی آنکھوں سے وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتی بے خوفی سے بولی تھی۔

آذر نے اسے تھپڑ مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا اور پھر اس کا ہاتھ فضا میں معلق رہ گیا تھا۔ وہ اسے تھپڑ نہیں مار سکا تھا۔ اسے اپنی ماں یاد آ گئی تھی۔ جبڑے بھینچے ایک تیز نظر اس پہ ڈال کر وہ کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ اس کے الفاظ ہنٹر کی طرح لگتے تھے۔

(میں نے آپ دونوں سے زیادہ بدصورت چہرے آج تک نہیں دیکھے)

☆☆☆

وہ آگ جو اس نے دوسروں کے آنگن میں لگائی تھی، اس کے شعلے اپنے آنگن میں بلند ہوئے تھے تو اسے تپش کا اندازہ ہوا تھا۔ علیشا صبح صبح تیار ہو کر باہر آئی تھی اور اسے جھٹکا لگا تھا۔ عثمان آئینے کے سامنے کھڑا تولیے سے چہرا تھپتھپا رہا تھا۔ اس نے کلین شیو کی ہوئی تھی ایسے تیار تھا جیسے کہیں جا رہا ہو۔ یا شاید اسے ایسے لگا تھا کیونکہ اس نے ایک عرصے کے بعد عثمان کو ایسی حالت میں دیکھا تھا۔

"کہیں جا رہے ہو؟" آتشی رنگ کا سفید کڑھائی والا لباس پہنے وہ اس کے قریب آئی تھی۔

"تم سے مطلب۔" وہ پرفیوم چھڑکتے ہوئے بولا۔

"اتنے روڈ کیوں رہتے ہو؟" علیشا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا، عثمان نے اسے بری طرح جھٹکا تھا۔ آج وہ غصے سے پاگل نہیں ہوا تھا۔

"ہاتھ مت لگایا کرو مجھے۔" وہ حقارت سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"اتنی تیاری؟" علیشا پژمردہ چہرے سے اسے دیکھتی پیچھے ہٹی تھی۔

"صفیہ کہتی ہے کہ کلین شیو میں اچھا لگتا ہوں۔" وہ بڑبڑایا اور کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

علیشا سن سی وہیں کھڑی رہ گئی تھی۔ مرد اس کی خوب صورتی پہ جان چھڑکتے تھے اور وہ دوسری نظر ڈالنا بھی گوارا نہیں کرتا تھا۔ علیشا کو ایک لمبے عرصے بعد احساس ہوا تھا۔ آذر کے پیچھے لگ کر اس نے عثمان کو کھو دیا تھا یا شاید کسی دوسری عورت کی جھولی میں ڈال چکی تھی۔

دوسرا جھٹکا آذر کو لگا تھا۔ وہ پندرہ دن بعد گھر آیا تھا۔ منہ ہاتھ دھو کر وہ واش روم سے باہر نکلا اور تولیے سے چہرا تھپتھپاتا کھڑکی تک آیا تھا۔ چہرے سے تولیہ نیچے لے جاتے اس کے ہاتھ تھمے تھے۔ باہر لان میں عثمان صفیہ کے پاس کھڑا تھا اور وہ اس کے سامنے زمین پہ بیٹھی اس کے جوتوں کے تسمے باندھ رہی تھی۔ تسمے بند کر کے وہ اٹھی اور مسکرا کر بال کانوں کے پیچھے اڑستی اس سے کچھ پوچھ رہی تھی اور وہ سر ہلا رہا تھا۔ وہ عثمان ہی تھا، اسے یقین نہیں آیا تھا۔

تیسرا جھٹکا دونوں کو اجتماعی لگا تھا۔ فاروق ناشتے کی ٹیبل پر بیٹھے خوش گوار موڈ میں عثمان سے کچھ پوچھ رہے تھے۔ اسے ایسے ناشتے کی ٹیبل پر بیٹھا دیکھ کر ان کو تسلی ہوئی تھی کہ وہ واقعی بہتر ہو رہا تھا۔ فاروق اس سے سوال پوچھ رہے تھے اور وہ ہوں ہاں میں جواب دے رہا تھا۔ آذر اور علیشا آگے پیچھے ہی آئے تھے۔

"صفیہ نہیں آئی؟" اس نے سوالیہ نظروں سے آذر کو دیکھا کرسی کھینچتا اس کا ہاتھ رکا۔

"بھابھی کہا کرو۔" وہ چبھتے لہجے میں تصحیح کرتا بولا تھا۔

"صفیہ!" عثمان نے ڈھٹائی سے کندھے اچکائے آذر نے خشمگیں نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

"آذر، کیا کر رہے ہو؟" فاروق صاحب نے

نادیبی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔
اتنے میں صفیہ میز کے گرد کرسی کھینچ کر آذر کے ساتھ بیٹھی تھی اور سب خاموشی سے ناشتا کرنے لگے۔ علیشا کی بھوک البتہ مر چکی تھی۔ اپنی ذات اتنی غیر اہم اسے کبھی نہیں لگی تھی۔ رات کے وقت وہ انیکسی کی چھت پہ آذر کے ساتھ کھڑی تھی۔ وہ سگریٹ پھونک رہا تھا۔

''میں نے عثمان کو اتنا بدلا ہوا پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ صفیہ کے اردگرد تو وہ کوئی اور ہی انسان ہوتا ہے۔ تمہاری بیوی کے ارادے ٹھیک نہیں ہیں۔'' آج دونوں آمنے سامنے دیواروں سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔

آذر نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تھا اور وہ دونوں سوئمنگ پول کے کنارے آمنے سامنے بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ صفیہ کتابیں پھیلائے بیٹھی تھی اور وہ لیپ ٹاپ کھولے کچھ دیکھ رہا تھا۔ گہرے رنگ کی شال خود پہ لپیٹے وہ ہاتھ ہلا ہلا کہ عثمان کو کچھ بتا رہی تھی۔ وہ ان کی طرح انیکسی کی چھت پہ اندھیرے میں چھپ کر نہیں مل رہے تھے نہ ہی کوئی ملازم ان کی نگرانی پہ کھڑا تھا۔ اردگرد سب لوگ تھے۔ ملازم گھوم پھر رہے تھے۔ ایک طرف فاروق صاحب کسی ملازم کے ساتھ کھڑے کوئی بات کر رہے تھے۔ دور رئیسہ کی بیٹی ملازموں کے بچوں کے ساتھ بھاگ دوڑ رہی تھی اور خود رئیسہ موبائل کان سے لگائے کسی سے بات کرتی چکر لگا رہی تھیں۔ وہ سب نارمل تھے۔

''چھوڑو ان کو تم بتاؤ اتنے دن سے کہاں غائب تھے۔'' وہ اس کے قریب آئی اور اس کے سینے پہ ہاتھ رکھتے سوال کیا تھا۔

''جہنم میں تھا۔'' آذر جل کر بولا اور اس کا ہاتھ درشتی سے ہٹایا تھا۔

''ایسے کیوں بی ہیو کر رہے ہو؟'' علیشا کی آنکھوں کی جوت بجھی تھی۔ پہلے عثمان نے ذلیل کیا تھا اور اب آذر!

''پیچھے ہو کر کھڑی ہو۔'' اس کا موڈ برا ہو گیا تھا اور علیشا نے صدمے سے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔ چند لمحے وہ وہیں رکا تھا اور پھر سگریٹ پھینک کے جوتے سے مسلتا آگے بڑھا تھا۔

''آذر......'' علیشا نے اسے بازو سے پکڑ کر روکا تو اس نے جھٹکے سے خود کو چھڑایا تھا۔

''صفیہ......'' عثمان کوئی بات کرنے لگا تو صفیہ نے اسے ٹوکا تھا۔ ''بھابھی کہا کرو۔ آذر کو برا لگتا ہے۔''

''مجھے بھی لگتا ہے۔'' اس نے کندھے اچکائے تھے۔

''کیا......؟'' انہماک سے کاپی پہ کچھ لکھتے صفیہ نے سوال کیا تھا۔

''آپ نے آذر جیسے انسان سے شادی کیسے کر لی؟'' وہ اس کی بات نظر انداز کر کے بولا تھا۔

''تمہیں آذر سے کیا مسئلہ ہے؟''

''مجھے آذر سے نفرت ہے۔'' وہ معروف سا بولا تھا اور صفیہ نے ایک نظر اسے دیکھا تھا پھر اس کے عقب میں سیڑھیاں اترتے آذر کو اور اس ایک لمحے نے اسے باور کرایا تھا کہ وہ باخبر تھا۔

''تم جانتے ہو؟''

''سب جانتے ہیں۔'' اس نے سر اٹھا کہ صفیہ کا چہرہ دیکھا تھا۔ اور اس سے پہلے وہ مزید کچھ پوچھتی رئیسہ اس طرف آ گئی تھیں۔

☆☆☆

عزت محبت کی محتاج نہیں ہوتی لیکن محبت عزت کے بغیر دھیرے دھیرے دم توڑ دیتی ہے۔ بلکہ کبھی کبھار عزت ملنے پہ محبت زندہ ہو جاتی ہے۔ آذر کے دل میں موجود نفرت عزت میں بدلی تھی۔ عزت نے فکر کا لبادہ اوڑھا تھا اور فکر اب محبت کے رنگ میں گھلتی جا رہی تھی۔ ہلکے گلابی رنگ کی کام دار لمبی قمیص اور جیولری پہنے وہ اس کے ساتھ ایک فیملی ڈنر پہ آئی تھی۔ وہ لاؤنج میں ایک طرف کھڑا تھا اور وہ تھوڑے فاصلے پہ عورتوں کے ساتھ بیٹھی چائے کے

digest.library.com

کپ کو گھور رہی تھی۔
"عورتوں کی بیک پہ بھائی یا باپ کا ہونا بہت ضروری ہے۔ ہمارے معاشرے کے مردوں کا المیہ یہ ہے کہ اگر ان کو پتا ہو کہ عورت کی بیک پہ کوئی طاقت ور مرد نہیں ہے تو وہ اس کی عزت نہیں کرتے۔" وہ کم صم سی اپنے ہاتھ میں پکڑے چائے کے کپ کو دیکھ رہی تھی جب رئیسہ کی کسی رشتہ دار نے کہا تھا۔
"ایسے مرد کے ساتھ رہنے کی کیا ضرورت ہے؟" کپ کو دیکھتی صفیہ نے نظریں اٹھائی تھیں اور باری باری سب کو دیکھا تھا۔
"جس مرد کا اچھا سلوک، تحفظ اور عزت آپ کی بیک پہ ایک طاقت ور مرد کے ہونے سے مشروط ہے اس کے ساتھ رہنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ کیونکہ کوئی بھی طاقت ور مرد ہمیشہ آپ کی بیک پہ نہیں رہے گا۔" اس کا لہجہ عجیب سا ہوا تھا۔
"ہر کسی کا شوہر آذر درانی نہیں ہوتا نا۔" عورتوں میں سے ایک نے کہا اور صفیہ نے صرف مسکرانے پہ اکتفا کیا تھا۔ واقعی ہر ایک کا شوہر آذر درانی جیسا ہو بھی نہیں سکتا تھا۔
دور بیٹھا آذر اسے دیکھے گیا تھا۔ وہ اسے پسند نہیں کرتا تھا لیکن اس کی عزت کرنے لگا تھا۔ صفیہ کی نظریں اس سے ملیں اور اس نے منہ موڑ لیا تھا۔ وہ اٹھ کر رئیسہ کے بچے کی جانب بڑھی اور اسے اٹھایا تھا۔
آذر اکیلا ہوا تو رئیسہ اس کے قریب آ کر بیٹھ گئیں۔
"مجھے پتا چلا ہے کہ صفیہ کے آنے سے عثمان کی حالت بہتر ہو گئی ہے۔" وہ دور کھڑی صفیہ کو دیکھتے ہوئے بولی تھیں۔ آذر نے سر ہلا دیا تھا۔
"ملازم کہہ رہے تھے کہ اچھا تھا، عثمان بھائی کی شادی ہم صفیہ سے کر دیتے اور علیشا کی شادی آذر سے۔" وہ سر جھٹک کر بظاہر مسکراتے ہوئے مگر عجیب سے لہجے میں بولی تھیں۔
"میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔ غلطی ہو گئی۔ صفیہ اور عثمان۔" رئیسہ بول رہی تھیں اور کپ پہ آذر کی گرفت سخت ہوئی تھی۔
"رئیسہ بھابھی...... صفیہ بیوی ہے میری۔" اسے برا لگا تھا۔
"سیاسی بیوی۔" رئیسہ نے تصحیح کی تھی۔ "وہ ایک نارمل انسان ڈیزرو کرتی ہے۔"
"میں آپ کو ابنارمل لگتا ہوں؟" اس نے چڑے لہجے میں کہا اور دور کھڑی صفیہ کو دیکھے گیا تھا۔
وہ رئیسہ کے چھوٹے بیٹے کو اٹھائے اسے گدگدی کرتے اس سے باتیں کر رہی تھی۔ وہ خوب صورت نہیں تھی۔ شفاف تھی۔ اندر اور باہر سے بالکل صاف۔ اتنی صاف کہ آپ آر پار دیکھ سکیں۔ وہ بچے کو اٹھائے ہوئے تھی جب بصیر رئیسہ کا شوہر اس کے قریب رک کر کوئی بات کرنے لگا۔ وہ بصیر کی بات پہ سر ہلا کر مسکرا کر جواب دے رہی تھی اور بار بار بچے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ شاید وہ دونوں بچے کے بارے میں بات کر رہے تھے۔ آذر کے اندر باہر ناگواری پھیلی۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے قریب گیا تھا۔ وہ ذرا سا لاپروا کیا ہوا تھا اب کچھ زیادہ ہی فری ہو رہے تھے صفیہ کے ساتھ۔ تب تک بصیر صفیہ کے قریب سے ہٹ چکا تھا۔
"چلیں اب گھر؟" اس نے سوالیہ نظروں سے صفیہ کو دیکھا تھا جس نے سر ہلا دیا تھا۔ صفیہ گاڑی کی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی اور سیٹ سے سر ٹکائے آذر گردن ذرا سی موڑے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسٹریٹ پول کی زرد روشنی اس کے آدھے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ بصیر کا اس سے بات کرنا عام سی بات تھی۔ پھر بھی آذر کو پتا نہیں کیوں عام نہیں لگی تھی۔
"صبح تک سامان پیک کر لینا۔" آذر کی آواز گونجی صفیہ نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔
"کیوں......؟" اس کے چہرے پر پریشانی پھیلی تھی۔ اسے لگا کہ وہ اسے چچی کے گھر بھیجنے کا کہہ رہا ہے۔
"میں نے تو کچھ کیا بھی نہیں۔"

"تم میرے ساتھ جا رہی ہو۔" وہ سیدھ میں دیکھتا بولا تھا۔

"اوہ۔" صفیہ نے سکون کا سانس لیا تھا

"او کے!"

اس نے پھر سے گردن موڑ لی تھی۔ وہ لوگ علیشا اور ملازمہ کا انتظار کر رہے تھے، آذر کی نظر اس کے گود میں رکھے ہاتھوں پر پڑی تھی۔ چوڑیاں کلائی سے ذرا پیچھے کھسکی ہوئی تھیں اور کلائی سے لپٹا سنہری بریسلیٹ زرد روشنی میں چمک رہا تھا آذر نے اس پہ لکھے الفاظ کو پڑھا تھا۔

"غصن الزیتون؟ اس کا کیا مطلب ہوا؟"

اس نے صفیہ کی کلائی پکڑ کر بریسلیٹ کو سامنے کیا تھا۔ وہ چونکی تھی۔

"......" اس کے چہرے پہ آسودہ سی مسکراہٹ پھیلی تھی۔ "یہ زیتون کی شاخ کو کہتے ہیں جو معافی، امن اور صلح کی علامت ہے۔"

"کس نے دیا تھا؟" آذر نے سنہری دھات سے بنے ان الفاظ پہ انگلی پھیری تھی۔

"چچا نے۔" صفیہ نے مختصر سا جواب دے کر اس کی شکل دیکھی تھی۔

"کیوں؟" آذر نے اس کا چہرہ دیکھا تھا جس پہ غیر آرام دہ تاثر تھا۔ سامنے مین گیٹ سے علیشا باہر نکلی تھی اس کے پیچھے پیچھے ملازمہ چل رہی تھی۔

"میرے اندر نرمی نہیں تھی، اس لیے معاف کرنا بہت مشکل رہا ہے۔ اور وہ کہتے تھے کہ معاف کر کے تعلقات بحال کرنا زندگی میں بہت ضروری ہے۔ اس لیے انہوں نے مجھے یہ دیا تھا کہ میں یہ سبق یاد رکھوں۔" اس نے نرمی سے کہہ کر اپنی کلائی چھڑانا چاہی تھی۔

"میرے لیے معافی مانگنا بہت مشکل ہے۔"

آذر اس کا بریسلیٹ دیکھتا بڑبڑایا تھا۔

"اب چھوڑ بھی دیں۔" وہ عام سے لہجے میں بولی تھی لیکن آذر پرسکون سا ان الفاظ کو دیکھ رہا تھا۔

تب ہی صفیہ کی کھڑکی پہ علیشا نے انگلی پہ پہنی انگوٹھی سے دستک دی تھی۔

صفیہ نے چونک کر اس طرف دیکھا۔ وہ پلکیں جھپکے بغیر آذر کے ہاتھ میں موجود اس کی کلائی دیکھ رہی تھی۔ آذر نے بریسلیٹ سے نظریں ہٹا کر صفیہ کا مضطرب چہرا دیکھا تھا اور پھر نگاہ پھیر کر شیشے پہ جھکی علیشا کے چہرے کو...... نیلی آنکھوں میں عجیب تپش تھی۔ آذر نے صفیہ کی کلائی نہیں چھوڑی تھی۔

"ہاں؟" شیشہ نیچے کر کے صفیہ نے علیشا کو دیکھا تھا۔ صفیہ کے آدھے چہرے پہ پڑتی اسٹریٹ پول کی زرد روشنی، سنہری ...... منت سے لکھے وہ الفاظ، شیشے کے پار نظر آتی علیشا کی نیلی آنکھیں، ٹھنڈی سیاہ رات اور اس کے کہے الفاظ ...... اس ایک لمحے نے عجیب سا تاثر چھوڑا تھا۔ آذر کو لگا تھا جیسے کائنات اسے کوئی پیغام دے رہی تھی۔

"پیچھے چلی جاؤ پلیز، میری ٹانگ میں درد ہے۔" علیشا بے زار سے لہجے میں بولی تھی۔ صفیہ نے ٹھنڈا سانس خارج کیا اور ٹیک لگا کر سر نفی میں ہلایا تھا۔

"نو!"

علیشا نے انگارہ آنکھوں سے آذر کا چہرا دیکھا اس کا سانس غیر معمولی حد تک تیز تھا اور کھڑکی کے شیشے پہ اس کی گرفت سخت ہونے سے مرمریں انگلیاں سرخ پڑ رہی تھیں۔ ملازمہ دلچسپی سے منہ چادر سے ڈھانپے سارا تماشا دیکھ رہی تھی۔

"کوئی مسئلہ ہے تو آپ ایک کام کریں۔ گاڑی کی چابی مجھے دے دیں۔ میں اور شرمیلا(؟) گھر چلے جاتے ہیں۔ آپ دونوں بعد میں آجائیے گا۔" وہ باری باری دونوں کا چہرہ دیکھتی سکون سے بولی تھی۔ اندر سے دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

(اگر جو آذر نے اس چڑیل کے سامنے بے عزتی کر دی تو؟ تو میری پہلے کون سی عزت ہے) دل کی دھڑکن ذرا سست ہوئی تھی اور اعتماد واپس بحال ہوا تھا۔

"آذر! اس سے کہیں کہ ......" بے [illegible] رنگ کے

کام دار لباس میں اس کا چہرہ خجالت سے سرخ ہوا تھا۔

"صفیہ......" آذر کی بات منہ میں رہ گئی تھی۔

"میں اور شریفاں ڈرائیور کے ساتھ آجائیں گے، آپ لوگ جائیں۔" اس نے سپاٹ چہرے کے ساتھ کہتے ہوئے جھٹکے سے اپنی کلائی چھڑائی تھی اور سیٹ بیلٹ کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا۔

"صفیہ اور میں جاتے ہیں۔" آذر نے ہاتھ بڑھا کر اسے روکا اور علیشا کو دیکھتے ڈیش بورڈ سے موبائل اٹھایا تھا۔

"ڈرائیور کو کال کرتا ہوں۔ وہ تم دونوں کو گھر چھوڑ دے گا۔" وہ موبائل پہ بٹن دباتے بولا تھا۔ صفیہ اور علیشا دونوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ دھواں دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ علیشا نے شیشے سے ہاتھ ہٹایا اور گاڑی آگے بڑھ گئی تھی۔

"پوری بات سن لیا کرو پہلے!" آذر عام سے لہجے میں بولا تھا۔

"ملازمہ کو تو بٹھا لیتے۔" وہ چلتی گاڑی سے باہر دیکھتے ہوئے جی کڑا کر کے بولی تھی۔

"تم ڈر رہی ہو؟" وہ ڈرائیو کرتے ہوئے عام سے لہجے میں بولا تھا۔

صفیہ نے بس ایک نظر اسے دیکھا تھا۔

"بندے نہیں کھاتا میں۔" وہ سکون سے بولا تھا۔

"آپ سے کچھ بعید بھی نہیں ہے۔" وہ بڑبڑائی تھی۔

"عثمان ایسا کیوں ہو گیا ہے؟" اس نے کچھ یاد آنے پہ سوال کیا تھا۔

"ماں کی ڈیتھ کی وجہ سے۔" آذر کے چہرے پر سایہ سا لہرایا تھا۔

"کیسے ہوئی تھی ان کی ڈیتھ؟"

"تم کیوں پوچھ رہی ہو؟" گاڑی کی فضا میں ایک دم تناؤ پھیلا تھا۔

"وہ عثمان...... پہلے وہ کتنا مختلف نظر آتا تھا پھر......" وہ بول رہی تھی اور آذر نے اس کی بات کاٹی تھی۔

"تمہیں اس کی اتنی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اس کے ساتھ ہمدردی کرنا بند کرو۔ ہم ہیں اس کے ساتھ ہمدردی کرنے کے لیے۔" وہ بیزار لہجے اور اونچی آواز میں بولا۔

"میرے ساتھ اس ٹون میں بات مت کریں۔" صفیہ اسی کے لہجے میں بولی تھی۔ آذر نے ایک نظر غلط اس پہ ڈالی اور خاموش ہو گیا تھا۔

اندھیرے میں ڈوبی دنیا کو دیکھتی صفیہ کو علیشا کا چہرا یاد آیا تھا۔ زخموں پہ جیسے کسی نے مرہم رکھ دیا تھا۔

☆☆☆

digest library.com

سب اچھے تھے بس وہی برا تھا، جسے اچھا ہونا چاہیے تھا اور اس ایک انسان کے برا ہونے سے سب کی اچھائی پس منظر میں چلی گئی تھی۔

وہ لوگ مردان جا رہے تھے۔ رئیسہ کو پہلے کسی پارٹی پہ جانا تھا اور پھر واپس مردان آنا تھا۔ ان کے بیٹے کو بخار تھا اس لیے انہوں نے بچے کو صفیہ کے ساتھ بھیج دیا تھا۔ آذر کا سکریٹری گاڑی چلا رہا تھا اور وہ رئیسہ بھابھی کا دو مہینے کا بچہ گود میں لیے بیٹھی تھی۔ صاف رنگت والا وہ گول مٹول صحت مند سا بچہ تھا۔ اپنے گرد شال پھیلائے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ ان کی فیملی میں فنکشن بہت ہوتے تھے۔ اتنے فنکشن صفیہ نے پوری زندگی میں نہیں دیکھے تھے جتنے شادی کے بعد ان چند مہینوں میں دیکھے تھے۔

گاڑی ایک جھٹکے سے رکی تھی۔ آذر نے سوالیہ نظروں سے سکریٹری کو دیکھا۔

"میں چیک کرتا ہوں۔" سکریٹری دروازہ کھول کر باہر نکلا چند منٹ بعد واپس آیا تھا۔

"کوئی مسئلہ ہو گیا ہے سر۔ آپ ڈرائیور کو بلا لیں۔"

آذر نے سامنے سڑک کو دیکھا تھا لمبی سڑک سیدھی ان کے گھر تک جاتی تھی۔ یہاں سے ان کا اپنا علاقہ شروع ہوتا تھا۔

"پیدل چل سکتی ہو؟" دروازہ کھولتے ہوئے

اس نے وہ بیک ویو مرر میں صفیہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔
"آف کورس!" کندھے اچکا کر وہ باہر نکلی تھی۔ سکریٹری ڈرائیور کے انتظار میں وہیں رکا تھا اور وہ دونوں ساتھ ساتھ آگے بڑھے تھے۔
"سیف ہے نا؟" وہ بچے کو بازوؤں میں اٹھائے بولی تھی۔
"یہ ڈر میرے ساتھ زبان درازی کرتے ہوئے کہاں جاتا ہے؟" وہ گردن موڑ کر اسے دیکھتے ہوئے بولا۔
"میں بے بی کے لیے کہہ رہی تھی۔" اس نے وضاحت دی تھی۔ ہوا کے جھونکے سے اس کی شال سر سے ڈھلک چکی تھی۔ چلنے میں دشواری ہو رہی تھی بینچ پر بیٹھ کر اس نے ہیلو کو اتارا تھا۔
"اگر تمہیں یہ امید ہے صفیہ کہ میں۔" آذر نے تندی سے اسے گھورا اور صفیہ نے نظریں اٹھا کر سامنے کھڑے اس آدمی کو دیکھا تھا۔
"مجھے آپ سے کوئی امید نہیں ہے آذر" وہ سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں جھانکتی سنجیدہ لہجے میں بولی تھی۔ ایک ہاتھ سے موبائل پکڑے کمبل میں لپٹے بچے کو سہارا دیا تھا اور دوسرے سے جھک کر جوتے اٹھائے اور ننگے پیر ٹھنڈی سڑک پہ آگے بڑھنے لگی تھی۔ آذر خاموشی سے اس کے پیچھے آیا تھا۔
"لاؤ تھوڑی دیر میں اٹھا لوں۔" وہ دونوں آدھے راستے میں پہنچے تھے جب آذر نے ہاتھ بڑھائے تھے۔ صفیہ نے چپ چاپ بچہ اسے دے دیا۔
"تم واپس کیوں آئی تھیں صفیہ؟" وہ سامنے دیکھتے اپنے گھر کو دیکھتا بولا تھا۔
"چچا کے لیے۔" صفیہ کا لہجہ پست ہوا تھا۔
"اور نیہا کے لیے۔ چچی نے کہا، میری ڈائیورس سے اس کی شادی متاثر ہوگی۔ میں ان کے ساتھ اتفاق تو نہیں کرتی لیکن رسک بھی نہیں لے سکتی تھی۔ چچا میرے ساتھ بہت اچھے تھے۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ میری وجہ سے ان کی بیٹی کی زندگی متاثر ہو۔"
"مجھے امید نہیں تھی کہ تم آؤ گی۔" آذر سر کو خم دے کر کہا تھا۔
"مجھے بھی۔" اس نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔ "مجھے ٹھکانا چاہیے تھا اور آپ کو بیوی نام کا چھلا تو برا سودا نہیں ہے۔"
آذر خاموش رہا تھا اور صفیہ نے اس کا چہرا دیکھا تھا۔
"وہ جانتا ہے آذر" وہ مدہم لہجے میں بولی تھی۔
"کیا؟" آذر نے سوالیہ نظروں سے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔
"عثمان آپ کے اور علیشا کے بارے میں جانتا ہے۔" وہ اسے بھی نہیں بتانا چاہتی تھی لیکن پتا نہیں کیوں جانے سے پہلے وہ اس پہ ایک احسان کرنا چاہتی تھی۔
"علیشا غیر تھی لیکن آپ اس کے بھائی تھے۔ آپ علیشا کو پسند کرتے تھے تو اس سے شادی کر لیتی چاہیے تھی نا" وہ ہیلو تھامے مزے سے چل رہی تھی۔
"علیشا جیسی عورت شادی کے قابل ہے؟" آذر تلخ لہجے میں بولا تھا۔
"تو عثمان سے کیوں کی اس کی شادی؟" وہ رکی اور اس کا چہرا دیکھا تھا۔
"عثمان نے اپنی مرضی سے کی تھی۔" آذر نے کندھے اچکائے تھے۔
"لیکن آپ کا اور علیشا کا یہ تعلق اس کی مرضی نہیں ہے۔"
آذر نے کوئی جواب نہیں دیا تھا...... اس کے پاس جواب نہیں تھا۔ البتہ شرمندگی اور گلٹ نے گھیرا تھا۔ کسی عوت کے سامنے اتنی اہانت اس نے پہلی بار محسوس کی تھی۔
"آپ مجھ سے اتنی نفرت کیوں کرتے ہیں؟"
"کیونکہ تم فاروق درانی کی پسند ہو۔" وہ دوبدو بولا تھا۔
"آپ کو فاروق درانی کی پسند پر اعتراض تھا تو

کہا کیوں نہیں؟" دونوں گھر کے مین گیٹ سے اندر داخل ہوئے تھے۔

"کیونکہ اعتراض تھا۔" اس نے "تھا" پہ زور دیا تھا اور بچے کو اس کی جانب بڑھایا۔ وہ جاگ چکا تھا۔ صفیہ خاموش رہی تھی۔

"ڈنر پہ چلو گی؟"

"مجھے ٹیسٹ کی تیاری کرنی ہے۔" وہ مصروف لہجے میں بولی تھی۔

"اچھی لگ رہی ہو۔" وہ آگے بڑھتے ہوئے بولا تھا۔

"توہین کرنے میں آپ ماہر ہیں آذر۔" وہ اسی کے لہجے میں بولی تھی۔ آذر کو معافی مانگنی نہیں آتی تھی اور صفیہ کو معاف کرنا نہیں آیا تھا۔

"توہین ڈنر کی ریکویسٹ ٹھکرانا ہے یا تعریف کرنا؟" اس نے پلٹ کے ابرو اچکا کے اسے دیکھا تھا۔

"توہین یہ ظاہر کرنا ہے ڈی آئی جی صاحب جیسے کچھ ہوا ہی نہیں ہے۔" وہ جتاتی نظروں سے اسے دیکھتی قریب سے گزر کر آگے بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

آذر کمرے میں کھڑا موبائل کی اسکرین دیکھتا کوئی میسج پڑھ رہا تھا۔ دروازہ کب کھلا اسے پتا نہیں چلا تھا۔ کسی نے پیچھے سے آ کے اس کے گرد بازو حمائل کیے تھے۔ وہ چونک کر پلٹا علیشا کھڑی مسکرا رہی تھی۔

"علیشا......" آذر نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا تھا۔

"ناراض ہو؟" وہ بولی تھی اور اس کی گردن کے گرد بازو حمائل کیے تھے۔ اور اس سے پہلے کہ آذر کوئی جواب دیتا دروازہ کھلا تھا اور صفیہ اندر آئی تھی۔ دونوں نے بیک وقت پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔ اس نے ایک سپاٹ نظروں دونوں پر ڈالی اور الٹے قدموں واپس پلٹ گئی تھی۔ دروازہ ٹھاہ کر کے بند کیا تھا۔

"علیشا! دوبارہ تم ایسی کوئی حرکت نہیں کرو گی۔" آذر نے اس کے بازو ہٹائے تھے۔

"کیا ہوا ہے؟" وہ ہاتھ بڑھا کر اس نے چہرہ چھونے لگی تھی اور آذر نے راستے میں ہی اس کی کلائی پکڑ لی تھی۔

"عثمان کو پتا چلے گا تو وہ بہت غصہ کرے گا۔ اس لیے آج کے بعد تم میرے کمرے میں نہیں آؤ گی۔" اس نے جھٹکے سے اس کی کلائی چھوڑ کر اسے گھورا تھا۔ "اور تین فٹ دور رہ کر بات کیا کرو۔"

آذر کے لہجے میں اجنبیت اور کراہت سی تھی جسے علیشا نے واضح محسوس کیا تھا۔

"تو ہم شادی کر لیتے ہیں۔" علیشا کی آنکھوں کی جوت بجھی تھی۔

"جا کے کام کرو اپنا۔" وہ ہاتھ جھلا کر بولا تھا۔

"تم مجھ سے ایسے پیچھا نہیں چھڑا سکتے آذر۔" وہ آنکھوں میں تپش لیے بولی۔

"ایک گولی کی مار ہو تم۔" آذر موبائل جیب میں ڈالتے ہوئے بے رحم لہجے میں بولا تھا اور وہ شاکی نظروں سے اس کا چہرہ دیکھے گئی تھی۔

"وہ تمہیں پھر بھی گھاس نہیں ڈالے گی۔" وہ رعونت سے بولی تھی۔

"تمیز سے بات کرو۔" کوٹ پہنتے آذر نے برہمی سے اسے دیکھا۔

"یہ سب تم اپنی بیوی کی وجہ سے کر رہے ہو نا؟" اس کا چہرہ دھواں دھواں اور گلا رندھا تھا۔

"میں تمہیں جواب دہ نہیں ہوں۔ اور علیشا! تم مجھے "تم" کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہو۔" آذر نے موبائل کوٹ کی جیب میں ڈالتے ہوئے ہاتھ سے اسے سامنے سے ہٹنے کا اشارہ کیا تھا۔ علیشا ایسے ہی جم کی کھڑی رہی تب آذر نے بازو سے پکڑ کر گویا اسے ایک طرف دھکیلا اور باہر نکل گیا تھا۔

☆☆☆

انسان تکلیف کا کبھی عادی نہیں ہوتا۔ زخم درد دیتا تھا لیکن زخم پہ ملے زخم کی تکلیف دگنی ہو جاتی تھی۔ وہ سیڑھیاں اتر کر ایک طرف بنی لائبریری میں آئی تھی۔ اور ایک ریک کا سہارا لے کر منہ پہ ہاتھ رکھے

روئے جا رہی تھی۔ یہ آذر کی اصلیت تھی اور وہ پہلے دن سے جانتی تھی لیکن وہ جتنا بھی ڈھیٹ بن جاتی یہ چیز تکلیف دیتی تھی۔

"پہلی بار تو نہیں ہے کہ آپ نے دونوں کو اکٹھا دیکھا ہو پھر یہ رونا کس بات پہ؟" عثمان کی پرسکون سی آواز پہ وہ چونکی تھی۔ چادر سے آنکھیں صاف کی تھیں۔

"پتا نہیں۔" اس نے مختصر سا جواب دیا تھا۔

"ایسے ٹاکسک (زہریلے) ریلیشن شپ میں رہنا انسان کو ہر محاذ پر تباہ کر دیتا ہے۔" وہ ایک کتاب اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

"تو پھر تم کیوں ہو اس رشتے میں؟" صفیہ نے پلٹ کے سوال کیا تھا۔

"میں تو دیکھ رہا ہوں آذر اور علیشا کتنا نیچے گرتے ہیں۔" وہ کندھے اچکا بولا تھا۔

"تو پھر ہم دونوں میں کیا فرق ہے؟" اس نے ریک کے ساتھ ٹیک لگائے سوال کیا تھا۔ وہ اس ریک کی دوسری جانب کھڑا تھا۔

"آپ کی مجبوری ہے اور میں دونوں کو اسی گھاٹ سے پانی پلانا چاہتا ہوں جس سے یہ مجھے پلاتے رہے ہیں۔"

"تمہاری ماں کو کیا ہوا تھا عثمان؟" اس نے مدھم آواز میں سوال کیا تھا۔

"خودکشی کی تھی۔" وہ بے حس لہجے میں بولا اور صفیہ کے رونگٹے کھڑے ہوئے تھے۔

"کیوں؟" اس کے گلے سے پھنسی پھنسی آواز نکلی تھی۔

"وہ بابا کے کسی ملازم سے شادی کرنے کا سوچ رہی تھیں۔" کتاب کے بند ہونے کی آواز آئی تھی۔ "بابا کو پتا چلا تو انہوں نے مما پہ افیئر کا الزام لگایا اور ان پہ تشدد کر کے ان کو کمرے میں بند کر دیا تھا۔ تو مما نے سوسائیڈ کر لی۔" آخر میں عثمان کی آواز مدھم ہوئی تھی۔

"کسی نے روکا نہیں؟" صفیہ ٹیک چھوڑ کر سیدھی ہوئی تھی اور باہر آ کر عثمان کو دیکھا تھا۔ اس نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"انہوں نے مدد کے لیے آذر کو بہت پکارا تھا لیکن یہ نہیں گیا۔" عثمان ریک میں کوئی دوسری کتاب ڈھونڈتا بولا تھا۔

"تو تمہاری آذر سے یہ لڑائی ہے۔؟" صفیہ نے جواب طلب نظروں سے اسے دیکھا۔

"کس کس چیز کے لیے لڑوں آذر سے؟" عثمان بڑبڑایا تھا۔ "ماں کے قتل میں حصہ ڈالنے کے لیے؟ مجھے اکیلا چھوڑنے کے لیے؟ پاگل پن کا الزام لگانے کے لیے؟ یا میری بیوی کے ساتھ تعلقات رکھنے کے لیے؟" مڑ ریک سے کتاب نکال کر اس نے خشک آنکھوں سے صفیہ کو دیکھا۔

"تعلقات نہیں بس فرینک نیس ہے۔" صفیہ مدافعانہ انداز میں بولی تھی۔

"اب آپ بھی آذر کو ڈیفینڈ کریں گی۔" وہ ہنسا تھا۔

"علیشا سے شادی کیوں کی تھی؟" صفیہ کو آج سارے رازوں سے پردہ اٹھانا تھا۔

"وہ ہمارے پرانے مالی کی بیٹی تھی۔ وکٹم بلیمنگ کر کے پہلے اس نے مجھے پھنسایا پھر اسے آذر میں فائدہ نظر آنے لگا تو اس کے ساتھ مصروف ہو گئی۔ اس نے میرے پاگل ہونے کے الزام پہ ثبوتوں کے ساتھ ٹھپہ لگایا ہے اور اب سب آپ کی نظروں کے سامنے ہے۔ اسے ہمیشہ سے آذر کے قریب ہونا تھا اور پھر اسے بہانا مل گیا۔" وہ عام سے لہجے میں بولا تھا۔

"اسے چھوڑ کیوں نہیں رہے؟" اپنی تکلیف وہ یکسر بھول چکی تھی۔

"ایسے کیسے چھوڑ دوں؟ ابھی تو ان دونوں کو اس دوا کا مزاہ چکھنا ہے جو انہوں نے مجھے دی ہے۔" وہ مسکرایا اور سر اٹھا کر صفیہ کو دیکھا تھا۔ "مدد کریں گی؟"

"مجھے کسی ڈرامے کا حصہ نہیں بننا۔ میں بس

digest-library.com

نیہا کی شادی کا انتظار کر رہی ہوں۔" اس نے سر نفی میں ہلایا۔

"ایک آخری سوال۔"

"پوچھیں؟"

"کیا واقعی تمہاری ماں......" اس نے بات ادھوری چھوڑ کر متذبذب نظروں سے عثمان کو دیکھا۔

"ڈیڈ آذر سے بھی زیادہ بدتر تھے۔ ماں کو ٹائم نہیں دیتے تھے۔ باہر دوسری عورتوں کے ساتھ گھومتے تھے۔ مما کو ایک نارمل زندگی گزارنی تھی۔ وہ ڈرائیورس لے کے اس آدمی سے شادی کرنا چاہتی تھیں لیکن......" اس نے صفیہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

صفیہ نے سر جھکا لیا تھا۔

"وہ جتنی اذیت ان دونوں نے آپ کو دی ہے۔ اس کا ایک فیصد ہی واپس کر دیں۔" وہ مصروف سے لہجے میں بولا تھا اور صفیہ نے کچھ سوچ کر سر اثبات میں ہلایا تھا۔ عثمان نے دروازہ کھولا تھا سامنے علیشا سیڑھیوں سے اتر رہی تھی۔ ان دونوں کو ایسے باتیں کرتا دیکھ کر وہ جل بھن گئی تھی۔ تن فن کرتی نیچے آئی تھی۔

"کیا کر رہی ہو یہاں؟"

"وہی جو تم اوپر آذر کے ساتھ کر رہی تھیں۔" صفیہ سینے پہ ہاتھ باندھے مسکرائی تھی۔

"اپنے شوہر تک محدود رہو سمجھیں۔" علیشا نے انگارہ ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ اور صفیہ نے ایک دم قہقہہ لگایا تھا۔

"دیکھو، بول کون رہا ہے۔"

"ابھی تو میں نے کچھ کیا ہی نہیں اور تم تو ابھی سے لال پیلی ہو رہی ہو۔" اس نے مسمسا منہ بنا کر علیشا کے گال کو چھوا تھا۔ "پوئر علیشا۔"

علیشا اسے گھور رہی تھی اور وہ باہر کی جانب بڑھی جہاں گاڑی تیار کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں موجود موبائل پہ آذر کی کال آ رہی تھی۔

☆☆☆

آذر آفس سے گارڈز کے بغیر نکلا تھا۔ سکریٹری نے اسے روکنا چاہا تھا لیکن وہ کسی کی سنتا کہاں تھا۔ رات کے اس وقت وہ گاڑی سڑک کنارے روکے کھڑا تھا۔ اسٹریٹ پولز کی زرد روشنی گاڑی کے بونٹ پہ پڑ رہی تھی۔ وقت کئی سال پیچھے گیا تھا، پندرہ سالہ آذر صوفے پہ سر جھکائے سپاٹ چہرا لیے بیٹھا تھا اور اس کے سامنے زمین پہ اس کی ماں بیٹھی تھی۔

"میرا کوئی چکر نہیں ہے آذر! میں فاروق کو دھوکا نہیں دے رہی۔ جمیل اور میں شادی کرنے کا سوچ رہے ہیں۔ میں فاروق جیسے انسان کے ساتھ مزید نہیں رہ سکتی۔ تم سمجھ رہے ہونا؟" اس کی ماں نے اس کا گھٹنا ہلایا تھا اور آذر نے سر اٹھا کر خالی خالی آنکھوں سے ان کو دیکھا تھا۔

"آپ بدکردار ہیں۔" وہ زہر خند لہجے میں بولا۔

"آذر......" اس کی ماں نے صدمے سے اس کی شکل دیکھی تھی۔

"اگر مما بدکردار ہیں تو ڈیڈ کیا ہیں؟" قریب کھڑے عثمان کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے۔

اور ماں کو کندھوں سے تھام کر اٹھایا تھا۔" ان کو بھی ایسے ہی کٹہرے میں کھڑا کرو۔ مما ڈرائیورس لے کے شادی کرنے کا کہہ رہی ہیں تو اس میں برا کیا ہے؟"

آذر نے بس خالی خالی آنکھوں سے ان دونوں کو دیکھا اور پھر ان کے عقب میں دیوار پہ لگی گھڑی کو۔ اس کا دل چاہا تھا ان کو بتا دے لیکن پھر۔ اس نے دل سخت کر لیا تھا۔

(لوگ تھوکیں گے ہم پہ آذر! وہ میرا اسکریٹری تھا۔ لوگ کیا کیا باتیں کریں گے کبھی سوچا ہے) کانوں میں باپ کی آواز گونجی تھی۔

"آپ کو کسی کی اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں آپ کے ساتھ ہوں۔"

عثمان ماں کے آنسو صاف کرتے کہہ رہا تھا اور تب ہی دروازہ دھاڑ سے کھلا تھا۔ اور فاروق اندر آئے تھے۔ اس کی ماں نے مدد طلب نظروں سے

آذر کو دیکھا تھا اور عثمان کے پیچھے ہوئی تھی۔ فاروق نے البتہ صرف آذر کو دیکھا تھا۔ وہ کسی روبوٹ کی طرح اٹھا۔ عثمان بول رہا تھا فاروق نے آگے بڑھ کر مریم کو بانوں سے دبوچا اور باہر نکالا۔ آذر نے عثمان کو پکڑا تھا۔

digest library.com

عثمان خود کو چھڑا رہا تھا اور فاروق مریم کو گھسیٹ کر اندر لے جا رہے تھے اور وہ چیختے ہوئے عثمان کو نہیں...... آذر کو پکار رہی تھیں۔ لیکن اسے نہ وہ نظر آ رہی تھیں نہ ان کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

اسے وہ تصویریں نظر آ رہی تھیں جو اس کے باپ نے اسے دکھائی تھیں جس میں وہ ریسٹورنٹ میں اس ملازم کے ساتھ بیٹھی تھیں اور ان کے تین تین گھنٹوں کی کال ریکارڈنگز سنائی دے رہی تھیں۔ فاروق نے ان پہ تشدد کر کے ان کو شادی سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی اور مریم نے غصے میں آ کر خودکشی کر لی تھی۔ اس ایک واقعے نے عثمان کو پاگل کر دیا تھا۔ اسے دورے پڑنے لگے تھے اور آذر کو بے حس کر دیا تھا۔

آذر حال میں لوٹا تھا۔ مریم کی آوازیں آج بھی اس کے کانوں میں گونج رہی تھیں۔ رات کی تاریکی اوڑھے شہر پرسکون، خاموش اور ٹھنڈا تھا۔ اسٹریٹ پولز کی روشنی بھی ویسے ہی پڑ رہی تھی۔ وہ بدکردار ہوتے ہوئے بھی ایسے قتل کیا جانا ڈیزرو نہیں کرتی تھیں۔ آذر کو ہر دن احساس ہوتا تھا۔ گہرا سانس لے کے اس نے گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔ پتا نہیں توازن خراب ہوا تھا یا کیا۔ اس کی گاڑی کسی بھاری چیز سے ٹکرائی اور قلابازیاں کھاتی سڑک پہ جا گری تھی۔ کان بند ہو گئے تھے۔ اور منظر دھندلا ہو گیا تھا۔ کراہتے ہوئے اس نے آنکھیں کھول کر دیکھنے کی کوشش کی تھی اور مریم سامنے کھڑکی کے پار بیٹھی دکھ سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

آذر نے پلکیں جھپک کر منظر کو واضح کرنا چاہا تھا لیکن اس کی آنکھوں پہ بوجھ پڑا تھا اور وہ ان کو دوبارہ نہیں کھول سکا تھا۔ لمحوں میں ہر چیز جیسے اندھیرے میں ڈوب گئی تھی۔

☆☆☆

تین ہفتے اسپتال میں رہنے کے بعد وہ گھر آیا تھا۔ اسے بری طرح چوٹیں آئی تھیں۔ ہوش میں آنے کے بعد اگر اس نے کسی کے چہرے پہ واقعی فکر دیکھی تھی تو وہ صفیہ اور [illegible] تھے۔ عثمان نے اس سے بات نہیں کی تھی لیکن وہ اسپتال میں رہا تھا۔ وہ بیڈ پہ لیٹا موبائل پہ کچھ دیکھ رہا تھا جب وہ کھانا لے کر آئی تھی۔ گہرے نیلے رنگ کا لباس پہنے اس نے بال ڈھیلے سے آدھے باندھے رکھے تھے۔

"کھانا کھا لیں آذر۔" وہ اس کے قریب ٹرے رکھ کر کرسی کھینچتی بولی تھی۔ آذر نے موبائل بند کیا۔ اتنے دن ہو گئے تھے صفیہ نے اسے سنائی نہیں تھیں۔

"اتنی فکر؟" وہ اسے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

پیالہ اٹھاتے صفیہ کے ہاتھ سست پڑے تھے اور اس نے گہرا سانس لیا تھا۔

"سیاسی بیوی ہوں، دکھاوا تو کرنا پڑتا ہے۔" وہ ڈھٹائی سے پیالہ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بولی تھی۔

"کس چیز کا دکھاوا؟" آذر نے پیالہ اس سے لیتے ہوئے پوچھا۔ "کیئر کا یا محبت کرنے کا؟"

"محبت؟" صفیہ نے ابرو اچکا کر آذر کو دیکھا۔ "آپ کو لگتا ہے، میں آپ سے محبت کر سکتی ہوں؟"

"اسپتال میں تمہارا چہرا دیکھ کر تو یہی لگ رہا تھا۔ اتنا لوگ مرے ہوئے لوگوں کو نہیں روتے جتنا تم مجھے رو رہی تھیں۔" وہ مسکراہٹ دبا کر بولا تھا۔

صفیہ نے ٹرے کو ایک طرف رکھی اور بند مٹھی پہ ٹھوڑی ٹکا کر بیٹھ گئی۔

"اسٹاک ہوم سنڈروم کے بارے میں سنا ہے آپ نے؟" وہ اسے گھورتے ہوئے بولی تھی۔ آذر نے بریسلیٹ والی کلائی کو پکڑا تھا اور سر نفی میں ہلایا۔

"سی ایس ایس کے کورس میں تو نہیں تھا۔" وہ جتاتے لہجے میں بولا تھا اور مسلسل ان سنہری الفاظ کو دیکھے گیا تھا۔ عجیب سی کشش تھی ان میں۔

”یہ ایک ایسی بیماری ہے جس میں قیدی کو قید کرنے والے سے محبت ہو جاتی ہے اور زخمی کو زخم دینے والا اچھا لگنے لگتا ہے۔ جسے آپ محبت کہہ رہے ہیں، میرے لیے وہ بس بیماری ہے۔“ اس نے کلائی چھڑانی چاہی تھی۔

”لاعلاج بیماری۔“ آذر نے بازو پہ گرفت بڑھائی۔

”چھوڑیں......“ صفیہ نے تادیبی نظروں سے اسے گھورا اور آذر نے بازو چھوڑ دیا تھا۔

”یہ آپ کو اتنا پسند ہے تو آپ ہی رکھ لیں۔“ کلائی سے بریسلیٹ اتار کے اس نے آذر کو تھمایا تھا۔ اس سے پہلے وہ کوئی جواب دیتا دروازے پہ دستک ہوئی تھی۔ اس نے جتاتی نظروں سے دیکھا تھا۔

”کم آن!“ دونوں نے بیک وقت دروازے کی جانب دیکھا علیشا اندر آئی تھی۔ آذر نے آنکھیں بند کر کے ایک تھکا ہوا سانس خارج کیا تھا اور صفیہ کے چہرے پہ تلخ مسکراہٹ تھی اور وہ کھڑی ہوئی۔

”یہاں کیوں آئی ہو؟“ آذر نے بےزاری سے کہا صفیہ اٹھ کر دروازے کی جانب بڑھی تھی۔

”حال پوچھنے آئی تھی۔“ علیشا کا گلا رندھا تھا۔ اس کے ہاتھ سے دونوں نکل گئے تھے۔ نہ آذر رہا تھا اور نہ عثمان۔

”زندہ ہوں جیسا کہ تم دیکھ رہی ہو۔“

صفیہ نے ڈور ناب گھما کر دروازہ کھولا۔

”کہاں جا رہی ہو؟“ آذر نے برا سا منہ بنایا۔

”واک کرنے جا رہی ہوں۔“ وہ ایک سپاٹ نظر آذر پہ ڈال کر باہر نکل گئی تھی۔ علیشا ٹھس سی وہیں کھڑی رہی تھی۔

”منع کیا تھا میں نے تمہیں علیشا۔“ آذر برے موڈ میں بولا تھا۔

”تمہاری بیوی اور عثمان کے لچھن کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے۔ ذرا فرصت ملے تو اس طرف بھی غور کرنا۔“ وہ چبا چبا کر بولی آذر کے بیزار چہرے پہ سختی چھا گئی۔

”عثمان میری شکل دیکھنا گوارا نہیں کرتا اور تمہاری بیوی تمہیں گھاس تک نہیں ڈالتی۔“

”یہ کس حیثیت سے تم مجھے ’تم‘ کہتی ہو؟“ آذر کی پیشانی پہ بل پڑے تھے۔

”گستاخی ہو گئی ڈی آئی جی صاحب!“ علیشا اسے گھور کر باہر نکل گئی تھی۔ اسے واپس سارا فوکس عثمان پہ کرنا تھا۔ آذر اس کی پہنچ سے ہمیشہ سے باہر تھا۔ وہ جو اس کے قریب ہوا تھا وہ بھی بس صفیہ کی چڑ، فاروق سے نفرت اور گلٹ میں ہوا تھا۔

☆☆☆

نیہا کی شادی تھی اور سب اس میں جانے کے لیے تیار تھے۔ آذر سیاہ لباس پہنے کمرے میں دائیں بائیں چکر کاٹتا اپنے منیجر سے بات کر رہا تھا۔

”یہ پہن لوں؟ اچھی لگ رہی ہے؟“ وہ ساڑھی پہن کے آئینے کے سامنے کھڑی پوچھ رہی تھی۔ آذر نے موبائل پہ جھکا سر اٹھا کر اسے دیکھا اسے یقین نہیں آیا تھا۔ وہ اس سے پوچھ رہی تھی۔

”آپ سے ہی پوچھ رہی ہوں آذر؟“ صفیہ پلٹی تھی۔ اس نے ہلکے سبز اور سنہرے امتزاج کی سلک کی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ آذر نے ستائشی انداز میں ابرو اچکائے اور سر ہلایا۔ وہ مسکرائی اور میک اپ کرنے میں مصروف ہو گئی تھی۔ پھر جیولری نکال کر دو گلوبند اس کے سامنے کیے تھے۔

”کون سا زیادہ سوٹ کرے گا؟“

”تمہاری طبیعت ٹھیک ہے نا؟ آج مجھ پہ اتنی عنایات۔“ وہ موتیوں والے سیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا تھا۔

”آج میں بہت خوش ہوں شاید اس لیے۔“ اس نے چوکر گلے میں پہنا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ لوگ ایک وسیع لان میں کھڑے تھے۔ صفیہ اس سے کافی فاصلے پہ کھڑی عورتوں سے بات کر رہی تھی۔ بار بار اس کی نظر اس کے طرف اٹھ جاتی علیشا اور عثمان ابھی تک نہیں آئے تھے۔

وہ پلو ٹھیک کرتی اس تک آئی تھی۔

"آپ کو کچھ کہنا ہے آذر؟" اس نے عجیب سی نظروں سے آذر کی شکل دیکھی تھی۔

"کیا مطلب؟" آذر نے اسے دیکھا تھا۔

"سوری، تھینکس یا کچھ بھی؟" وہ اس کا چہرہ دیکھتی بولی تھی۔

"سوری اور تھینکس؟" آذر نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا اور صفیہ گہرا سانس لے کے چند لمحے اسے دیکھے گئی تھی۔ پھر کلچ اور موبائل وہیں قریب ٹیبل پر رکھا اور ذرا ہٹ کر ساڑھی ٹھیک کرنے لگی تھی۔ اس کے موبائل کی اسکرین روشن ہوئی تھی اور آذر نے اس طرف دیکھا تھا۔ عثمان کا میسج تھا، وہ اسے گھر جلدی آنے کا کہہ رہا تھا۔ آذر کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ موبائل اور کلچ اس سے لیا تھا اور چپ چاپ کھڑی ہوگئی تھی۔ موبائل پر روشن ہوا اس بار کال آئی تھی۔ وہ وہاں سے ہٹ کر ایک سائیڈ پر چلی گئی۔ کال سننے کے چند منٹ بعد وہ واپس آئی تھی۔

"میرے سر میں درد ہے آذر، میں گھر جا رہی ہوں۔" وہ عام سے لہجے میں بولی تھی۔

"ڈرائیور کو بھیجوں؟" آذر نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا تھا اور اس نے سر ہلا دیا تھا۔

☆☆☆

علیشا انیکسی میں اپنے کمرے میں چپ چاپ لیٹی تھی پھر اٹھ کر باہر آئی تھی۔ عثمان اپنے کمرے میں کھڑا تیار ہو رہا تھا۔ اس نے سیاہ ڈریس شرٹ پہ سیاہ پینٹ کوٹ پہن رکھا تھا۔

"عثمان"

عثمان نے بس نظریں اٹھا کر آئینے میں اپنے عقب میں دیکھا۔

"مجھے کچھ بات کرنی ہے۔"

"بولو؟" وہ لیے دیے لہجے میں بولا تھا۔

"مجھ سے ایک غلطی ہوگئی ہے۔ میں...... یہ سب میں نے خود سے نہیں کیا۔ آذر نے مجھے ورغلایا تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں تمہاری بیوی ہوں پھر بھی...... لیکن میرا یقین کرو میں نے کبھی کوئی لمٹ کراس نہیں کی۔" علیشا نے روتے ہوئے جو سچی جھوٹی کہانی بنی تھی اسے سنا دی تھی۔ ساری روداد سن کر عثمان نے اسے دیکھا۔

"آذر ہے ہی ایسا، وہ تمہیں ہراس کرتا رہا یہ تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

"میں ڈر گئی تھی۔ م...... میں۔" اس نے بے یقینی سے عثمان کو دیکھا تھا۔

"ہم یہاں نہیں رہیں گے۔" عثمان نے اس کے آنسو صاف کیے تھے۔ "کھانا کھایا ہے؟" علیشاء نے سر نفی میں ہلایا۔

"پھر شادی پہ جانے کا پلان کینسل کرتے ہیں اور ہم دونوں ڈنر پر چلتے ہیں۔" وہ مسکرا کر اس کا گال تھپتھپاتے بولا۔

"میں ریڈی ہو کر آتی ہوں۔" علیشاء کی آنکھوں میں جگنو چمکے تھے۔

"میں تمہارے لیے ایک گفٹ لایا ہوں۔" وہ مسکرایا اور ایک شاپنگ بیگ اس کی جانب بڑھایا تھا۔

"اوپر چھت پہ ویٹ کر رہا ہوں ریڈی ہو کر آجاؤ۔" وہ آگے بڑھ گیا تھا اور پیچھے علیشا نے آنکھیں بند کر کے سکھ کا سانس لیا تھا۔

☆☆☆

"صفیہ گھر پہنچ گئی ہے؟ میری کال نہیں اٹھا رہی۔" اس نے لہجہ سرسری رکھنے والا کیا تھا۔

"جی صاحب جی، انیکسی طرف گئی تو ہیں۔"

دوسری جانب چوکیدار نے مؤدب سے لہجے میں بتایا، آذر نے کال کاٹ دی تھی۔ وہ گھر سے تھوڑے فاصلے پہ ہی رکا ہوا تھا۔ گاڑی گیٹ سے اندر لا کے وہ جبڑے بھینچے انیکسی تک آیا اور دھاڑ سے دروازہ دھکیل کر اندر دیکھا۔ کمرا خالی تھا۔ وہ باہر سیڑھیوں کی جانب بڑھا اور اوپر آیا۔ آخری سیڑھی پہ آذر کے قدم تھمے تھے۔ سامنے عثمان کھڑا اس کے سامنے صفیہ کھڑی تھی۔ یہاں سے اس کی پشت دکھائی دے رہی

تھی۔ جس انداز میں اور جتنے قریب وہ دونوں کھڑے تھے۔ وہ پلٹ گیا۔ وہ ان دنوں کو زندہ چھوڑنے والا نہیں تھا۔

کمرے میں آکر اس نے ہذیانی انداز میں درازیں کھنگالی تھیں۔ سامنے گن پڑی تھی۔

"کیا ڈھونڈ رہے ہیں آذر؟" نسوانی آواز پہ وہ پلٹا تھا۔

انیکسی کی چھت پہ عثمان نے علیشا کا چہرہ دیکھا تھا۔

"یہ کہانیاں گھڑنا کہاں سے سیکھا ہے تم نے علیشا؟" وہ ہلکے پھلکے لہجے میں بولا اور اس کے قریب کھڑی علیشا نے سوالیہ نظروں سے اس کو دیکھا تھا۔ آذر کو واپس جاتے ہوئے وہ پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔

"تمہاری ہراسمنٹ کی کہانی کی سیٹنگ یہیں ہوتی تھی نا؟" وہ اس کے چہرے سے لٹ ہٹاتے ہوئے کہہ رہا تھا اور علیشا کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔

"میری نظر میں تم دنیا کی بدصورت ترین عورت ہو۔" کہہ کر عثمان نے لفافہ اس کی جانب بڑھایا تھا اور پیچھے ہٹ گیا تھا۔ ہلکے سبز اور سنہرے رنگ کی ساڑھی عثمان نے اسے دی تھی وہ پہنے علیشا نے ست روی سے لفافہ کھول کر کاغذات باہر نکالا تھا۔ وہ طلاق کے کاغذات تھے۔ لفافہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کے نیچے جا گرا تھا۔

گن پکڑے آذر پلٹا وہ اس کے عقب میں کھڑی تھی۔ آذر نے اسے بازو سے دبوچا اور تقریباً گھسیٹتے ہوئے لے کر انیکسی کی چھت پہ گیا لیکن اس کے قدم ٹھٹھک کر رکے تھے۔ آواز پہ سامنے کھڑی علیشا پلٹی تھی اور خالی خالی نظروں سے ان کو دیکھا تھا۔

علیشاء اور صفیہ کی ساڑھی کا رنگ ایک جیسا تھا۔

"کیسا لگا؟" صفیہ نے بازو چھڑایا۔ وہ جسے صفیہ سمجھ رہا تھا، وہ علیشا تھی۔

"یہ مذاق ہے؟" وہ غرایا تھا اور اس نے تھپڑ مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا لیکن ہاتھ فضا میں معلق رہ گیا تھا۔ وہ ایسے ہی سپاٹ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"رک کیوں گئے ہیں، ماریں؟" صفیہ دو قدم آگے آئی تھی۔ "میرا بھی یہی دل چاہا تھا آذر، جب میں نے آپ کو علیشا کے ساتھ دیکھا تھا۔"

"عثمان نے مجھے طلاق دے دی ہے۔" علیشا نے آذر کو دیکھا جس نے شاک سے قریب آتے عثمان کو دیکھا تھا۔

"عثمان ...... تم ...... ایسے کیسے؟" صفیہ کو چھوڑ کر اس نے عثمان کو دیکھا تھا۔

"آپ کر لیں شادی۔" وہ بے حس لہجے میں بولا تھا۔

"شٹ اپ" آذر نے اسے گریبان سے پکڑا تھا۔

digest library.com

"آپ میرا گریبان پکڑنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ یہ تو ایک بدکردار عورت تھی لیکن آپ تو بھائی تھے میرے؟" وہ شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھتا بولا تھا۔

"جب تک ہم دونوں زندہ ہیں آذر بھائی۔ آپ میرے سامنے مت آیا کریں۔ نفرت ہے مجھے آپ سے۔" عثمان جھٹکے سے اپنا گریبان چھڑا کر پلٹ گیا تھا۔ صفیہ نے بھی ایک نظر دونوں کو دیکھا اور پلٹ گئی تھی۔ ان کی کہانی یہیں سے شروع ہوئی تھی اور یہیں ختم ہوئی تھی۔

☆☆☆

کمرے میں آکر اس نے سوٹ کیس نکالا اور چپ چاپ اس میں کپڑے رکھنے لگی تھی۔ آذر دروازہ کھول کر اندر آیا تھا۔

"صفیہ......"

"معافی کا وقت گزر چکا ہے آذر" اس نے کہہ کر سوٹ کیس نیچے اتارا تھا۔

"میں عثمان کے ساتھ یا کسی بھی مرد کے ساتھ اسی پوز میں کھڑی ہوتی ہوں جیسے آپ علیشا کے ساتھ کھڑے تھے اور......"

"شٹ اپ......" آذر کا چہرہ غصے سے سرخ

ہوا تھا۔

''اور جس دن آپ مجھے اس سب کے لیے معاف کردیں گے آذر! میں بھی آپ کو معاف کردوں گی۔'' آنسوؤں سے لبریز آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے صفیہ نے اپنی بات مکمل کی۔

''میں کسی مجبوری کے تحت واپس نہیں آئی تھی آذر، یہ احسان تھا۔ میرے چچا نے مجھ پہ بہت احسان کیے ہیں۔ میں نہیں چاہتی تھی، میری طلاق کی وجہ سے ان کی بیٹی کی زندگی متاثر ہو۔ اس لیے میں نے صرف نیہا کی شادی تک انتظار کیا تھا۔''

وہ نم آنکھوں سے چبا چبا کر بولی تھی اور بازو چھڑا کر باہر نکل گئی تھی اور آذر وہیں کھڑا رہا تھا۔ اسے معافی مانگنی نہیں آئی تھی۔

وہ نیچے آئی تھی اور ملازم نے ہونقوں کی طرح اس کی شکل دیکھی تھی۔

''دروازہ کھولو؟'' صفیہ نے سوٹ کیس دھکیلتے تیز نظروں سے اسے دیکھا۔

''بی بی! رات کو آذر لالہ کی اجازت کے بغیر گیٹ نہیں کھلتا۔'' گن پکڑے چوکیدار ہچکچایا تھا۔

''دروازہ کھولو۔'' صفیہ اب کے غصے سے بولی تھی۔ ملازم نے ان کے کمرے کی کھڑکی میں کھڑے آذر کو دیکھا۔ اس نے سر ہلا کر دروازہ کھولنے کا اشارہ کیا تھا۔ اور چوکیدار نے گیٹ کھول دیا تھا۔ سوٹ کیس دھکیلتی وہ باہر نکل گئی تھی۔

☆☆☆

رات کو اس وقت وہ اس خالی سڑک پہ بینچ پر بیٹھی تھی۔ قریب سوٹ کیس رکھا تھا۔ دور روشنیوں میں جگمگاتا درانی ہاؤس نظر آرہا تھا۔ غصے اور بدلے کا غبار چھٹا تھا تو منظر واضح ہوا تھا۔ اور دماغ نے اس کے سامنے اک سوال لاکر رکھا تھا اب آگے کیا صفیہ......؟

''چچی! مجھے گھر کی چابیاں چاہئیں۔'' چچی کے کال اٹھاتے ہی وہ بولی تھی۔ اس نے ان کو کچھ دن پہلے کال کرکے بھی یہی کہا تھا۔

''گھر کی چابیاں فیصل کے پاس ہیں صفیہ۔'' چچی پژمردہ لہجے میں بولی تھیں۔

''اس گھر میں میرے بابا کا بھی حصہ تھا، آپ فیصل کو ایسے کیسے دے سکتی ہیں؟'' صفیہ کی آنکھوں سے گرم مائع گالوں پہ بہا تھا اور اس نے مرے مرے ہاتھوں سے موبائل کان سے ہٹایا تھا۔ چچی کچھ اور بھی کہہ رہی تھیں لیکن صفیہ نے نہیں سنا تھا۔ ہتھیلی کی پشت سے اس نے گالوں کو رگڑا۔ چچی نیہا کے ساتھ رہتی تھیں۔ گھر بھی چلا گیا تھا اور اس کے پاس اپنا کوئی ذریعہ آمدنی نہیں تھا۔ چچا کی دکان کا کرایہ بھی چچی کے پاس آتا تھا۔ اس کا دل چاہا تھا سامنے پہاڑی سے چھلانگ لگا دے۔ آذر کے ساتھ سب کچھ کرنے سے پہلے تک یہ سب بڑا آسان لگا تھا۔ اب مشکل لگ رہا تھا۔ سردی ہڈیوں میں گھستی محسوس ہو رہی تھی اور حقیقت کے آئینے نے اسے اس کا اصل دکھایا تھا۔

وہ لاوارث تھی۔

☆☆☆

آذر وہیں صوفے پہ بیٹھا تھا جیب سے والٹ نکال کر دو انگلیوں سے ایک تصویر باہر نکالی تھی اور اسے دیکھے گیا تھا۔ وہ اس کی ماں کی تصویر تھی۔ مریم درانی ایک خوب صورت عورت تھیں۔ وہ مریم کو نہیں بچا سکا تھا۔ جبکہ اسے بچانا چاہیے تھا۔ لیکن وہ صفیہ کو تو بچا سکتا تھا۔ یہ تلافی کا ایک موقع تھا۔ اس نے بیڈ پہ پڑی اپنی شال اٹھا کر اوڑھی اور الماری سے کوٹ نکالا تھا۔

☆☆☆

''بدلہ لینے کے لیے سب سے پہلے اپنی بیک مضبوط کرتے ہیں۔'' وہ بینچ پر آکر بیٹھا اور کوٹ اس کے اور اپنے درمیان رکھا تھا۔

''تم مجھ سے بدلہ لینے کی پوزیشن میں نہیں ہو۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا تھا اور صفیہ گردن موڑے بیٹھی رہی تھی۔

''جانتی ہوں، میں لاوارث ہوں۔'' وہ تلخی سے بولی تھی۔

''اٹھو گھر چلو۔'' آذر کی آواز گونجی تھی۔

''میں واپس نہیں جاؤں گی۔'' اس نے سر نفی میں ہلایا۔

''تو پھر کہاں جاؤ گی؟'' آذر کے لہجے میں طنز نہیں استفسار تھا اور صفیہ کے رونے میں مزید تیزی آ گئی تھی۔

''مجھے چھوڑنے سے پہلے تمہیں ایک اسٹیبل سورس آف انکم اور ایک محفوظ ٹھکانے کی ضرورت ہے۔ حقیقت اور تصور میں یہی فرق ہے صفیہ جمال!'' وہ پرسکون سا بولا اور اٹھ کر سوٹ کیس پکڑا تھا۔

صفیہ نے ایک کاٹ دار نظر اس پہ ڈالی۔ کوٹ اٹھا کر پہنتے ہوئے اس کے آگے آگے چل دی تھی۔ تقدیر اسے کچھ اس طرح اس آدمی کے قدموں میں لا کر پٹختی تھی کہ وہ بے بس ہو جاتی تھی۔

☆☆☆

آذر اپنے کمرے میں جا رہا تھا۔ رئیسہ کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس کے کانوں میں رئیسہ کی آواز پڑی تھی اور اس کے قدم تھمے تھے۔

''تم صفیہ سے شادی کر لو عثمان! آذر اور وہ ایک دوسرے کی ٹائپ نہیں ہیں اور وہ ویسے بھی اسے چھوڑ رہا ہے۔''

''میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا رئیسہ بھابھی! آذر بھائی ہے میرا اور وہ صفیہ کو پسند کرتا ہے۔ صفیہ سے شادی کرنے کے لیے آذر کو چھوڑنا پڑے گا اور میں آذر کو نہیں چھوڑ سکتا۔'' وہ دو ٹوک لہجے میں بولا تھا۔

آذر آگے بڑھ گیا تھا۔ اپنے کمرے میں آئے اسے کچھ ہی منٹ گزرے تھے جب دستک ہوئی تھی۔ اجازت ملنے پہ دروازہ کھلا اور عثمان اندر آیا تھا۔

''آپ معافی کیوں نہیں مانگ لیتے آذر بھائی۔'' عثمان زچ لہجے میں بولا تھا۔ ''آپ کو نہیں لگتا آپ کے اتنا ہرٹ کرنے کے بعد میں، مما اور صفیہ آپ سے معافی سننا ڈیزرو کرتے ہیں۔''

''تمہیں لگتا ہے، میں معافی کے قابل ہوں۔'' آذر گھڑی اتارتے ہوئے بولا تھا۔

''یہ فیصلہ میں نے، صفیہ اور مما نے کرنا تھا۔ آپ کا کام بس معافی مانگنا ہے۔''

''سوری!'' آذر نے پلٹ کے عثمان کو دیکھا تھا اور اسے جیسے ایک لمحے کے لیے سانپ سونگھ گیا تھا۔ اسے آذر سے اتنی جلدی معافی کی امید نہیں تھی۔

''میں اور رئیسہ بھابھی صفیہ کو واپس تو لے آئیں گے لیکن اسے روکنا آپ کا کام ہے۔'' وہ کہہ کر دروازے کی جانب بڑھ گیا تھا۔

☆☆☆

باہر کی دنیا پریوں کی کہانیوں جیسی نہیں ہے صفیہ'' یہ رئیسہ تھیں۔ ''تم صحیح ہو، جو آذر نے کیا ہے، وہ ناقابل قبول ہے۔ لیکن تم اس وقت اکیلی ہو۔ تمہارا ایک بھی محرم رشتہ ہوتا یا تمہاری ماں ہی زندہ ہوتی تو میں تمہیں کبھی نہ روکتی۔ میں خود تمہیں اس فیصلے پہ سپورٹ کرتی۔ لیکن اب تمہیں آذر کی ضرورت ہے۔ یہ لوگ شوہر برے ہیں لیکن محافظ اچھے ہیں۔''

اگلا پورا سال اس کا اور آذر کا آمنا سامنا بہت کم ہوا تھا۔ اس نے امتحان پاس کر لیا تھا اور ٹریننگ اکیڈمی چلی گئی تھی۔ وہاں سے واپسی پہ اس کی تقرری ہوئی تھی اب وہ رئیسہ اور عثمان کے ساتھ بیٹھی تھی۔

''آذر نے وہ سب کچھ بابا اور آپ کی نفرت میں کیا تھا۔ دیکھیں، ایک چانس دے دیں۔ آذر نے دوبارہ کچھ الٹا سیدھا کیا تو اب آپ کے پاس ایک اسٹیبل زندگی ہے۔ آپ کبھی بھی واپس جا سکتی ہیں۔'' یہ عثمان تھا۔

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا عثمان۔'' صفیہ نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

''کوئی بھی بڑا فیصلہ کرنے سے پہلے ایک بار باہر کی دنیا کو دیکھ لو۔ تمہاری آزاد خیال طبیعت کو یہ بات کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گزرے یہ حقیقت ہے۔ اس معاشرے میں ہمیں مرد کی ضرورت ہے صفیہ'' یہ رئیسہ تھیں اور وہ سر ہلا کر اٹھ گئی تھی۔ وہ دونوں چلے گئے تھے اور وہ گورنمنٹ سے ملے اس گھر میں

اکیلی تھی۔ کمرے میں آ کر اس نے دروازہ لاک کیا تھا۔ عجیب سا ڈر اسے ہر وقت گھیرے رہتا تھا۔ آفس میں بھی اس نے دیکھا تھا، کچھ مرد آفیسرز بہت عجیب نظروں سے اسے دیکھتے تھے۔ وہ بیڈ کے ساتھ ٹیک لگائے زمین پہ بیٹھ گئی تھی۔ چند منٹ ہی گزرے تھے جب نیہا کی کال آئی تھی۔ اسے مبارک باد دے کر وہ اسے اپنے دکھڑے سنانے لگی تھی اور صفیہ چپ چاپ سنے گئی تھی۔ وہ بس تنہائی کو کاٹنا چاہتی تھی اور خوف کے اس اثر کو زائل کرنا چاہتی تھی۔

"کیا بتاؤں صفیہ! میرا شوہر فیصل ...... اتنا نیچ آدمی ہے۔ اتنا پیسہ ہے اس کے پاس اور پائی پائی کا حساب رکھتا ہے۔ اتنے طعنے دیتا ہے، تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔ ماما کو ساتھ تو رکھ لیا ہے میں نے لیکن جو اس آدمی نے میرا ناک میں دم کیا ہوا ہے۔" وہ روہانسی ہوئی تھی۔

"تو چچی سے کہو، میرے ساتھ آ جائیں۔" وہ گم صم سی بولی تھی۔

"کیسے آ جائیں؟ یہ بھانجا ہو کر ایسا ہے تو آذر کیسا ہوگا۔ قسم سے میں بابا کو اتنا مس کرتی ہوں صفیہ۔"

"آذر ایسا نہیں ہے" وہ بے آواز بڑبڑائی تھی اور نیہا نے اپنا دل ہلکا کر کے کال کاٹ دی تھی۔

☆☆☆

باہر کی دنیا واقعی پریوں کی کہانیوں جیسی نہیں تھی۔ اسے شوہر برا لیکن محافظ اور جائے پناہ اچھی ملی تھی۔ اگلی شام کو وہ دیر سے واپس جا رہی تھی۔ گاڑی ایک جھٹکے سے رکی تھی۔ ڈرائیور باہر نکلا تھا۔ اور صفیہ نے بے چین نظروں سے اردگرد دیکھا تھا۔ وہ نسبتاً سنسان علاقہ تھا۔ اتنے میں تین موٹر سائیکل سوار ان کے قریب آ کے رکے تھے۔ ایک نے ڈرائیور کو دبوچا تھا اور دو اس کی جانب بڑھے تھے۔

ایک نے کار کا شیشہ توڑ کر صفیہ کو باہر نکالا تھا اور گردن سے اسے سختی سے دبوچا تھا۔ وہ اس کی گرفت میں بری طرح پھڑپھڑائی تھی۔ وہ آذر نہیں تھا جو اس کے ایک بار کہنے پہ چھوڑ دیتا۔ وہ اسے گھورتے ہوئے منہ اس کے قریب کیے اسے دیکھ رہا تھا بے بسی سے صفیہ کی آنکھوں میں پانی اکٹھا ہوا تھا۔ ان میں سے ایک نے گاڑی اسٹارٹ کی تھی، دوسرے نے ڈرائیور کو باندھ کر پھینکا تھا اور تیسرا صفیہ کو دروازہ کھول کر اندر ڈالنے کی کوشش تھا۔ جب ان کے ایک ساتھی نے ان کو روکا تھا۔

"اوئے! یہ آذر درانی کی بیوی ہے۔"

"آذر درانی؟ وہ ڈی آئی جی؟" اس آدمی کی گرفت اس کے گلے کے گرد ہلکی ہوئی تھی اور اس نے کار ڈاپنے ساتھی کے ہاتھ سے دبوچ کر دیکھا تھا۔

"نکلو یہاں سے۔" وہ دونوں ایک جست میں گاڑی سے باہر نکلے تھے۔

"نام کیا ہے تیرے شوہر کے باپ کا؟" وہ ابھی تک کشمکش میں تھا۔

"فاروق درانی۔" صفیہ کی پھنسی پھنسی سی آواز نکلی تھی۔

digest library.com

"نکل یہاں سے، وہ اس علاقے کا ڈی آئی جی ہے۔ کہاں مار کر پھینکے گا۔ کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا۔"

وہ دونوں موٹر سائیکل اسٹارٹ کر چکے تھے۔ اس آدمی نے صفیہ کو چھوڑا اور تینوں بھاگ گئے تھے۔ وہ اب سن سی وہیں کھڑی رہی تھی اور پھر کانپتے ہاتھوں سے موبائل نکالا تھا۔ واپسی کا راستہ اسے ٹھیک ٹھیک دکھائی دینے لگا تھا۔ اس کے لیے معاف کرنا مشکل تھا اور اس کے چچا نے کہا تھا کہ یہ مشکل زندگی آسان بنا دے گی تو۔

واقعی زندگی کو آسان بنا دیا تھا۔

☆☆☆

صلح اختلاف ختم کر کے تعاون اور سمجھوتا کرنے کا نام تھا۔ یہ غلطی کو تسلیم کر کے دل آزاری اور نقصان کی تلافی کرنا تھا۔ یہ امن، سکون اور تعاون کی حالت کو دوبارہ قائم کرنا تھا۔ یہ ماضی کی غلطیوں کی تلافی کر کے تعلقات بہتر کرنے کا نام تھا۔ تھوڑی دیر بعد

وہ آذر کے گھر کے لاؤنج میں کھڑی تھی۔ دروازہ کھلا تھا اور وہ اندر آیا تھا۔

"تم ٹھیک ہو؟" وہ اس کے سامنے آ کے رکا تھا اور صفیہ کے آنسو بند توڑ کے باہر نکلے تھے۔ اسے لگا تھا اس کے پاس پاور فل پوزیشن ہوگی تو کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا لیکن وہ غلط تھی۔

آذر کی نظر اس کی گردن پہ پڑی تھی جہاں زور سے دبوچنے سے انگلیوں کے نشان پڑ گئے تھے۔ اس نے صفیہ کے بال ہٹا کر گردن کو دیکھا تھا اور پھر اس کا چہرہ دیکھا تھا۔

"کتنے آدمی تھے؟" وہ جبڑے بھینچے بولا تھا۔

"تین۔"

"شکلیں یاد ہیں؟" آذر نے اس کو بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

"چہرے کور تھے ان کے۔" سر نفی میں ہلا کر وہ صوفے پہ بیٹھ گئی تھی۔ اور آذر کال ملا کر موبائل کان سے لگائے باہر نکل گیا تھا۔

"مجھے بارہ گھنٹوں کے اندر اندر وہ تینوں سلاخوں کے پیچھے چاہئیں۔" وہ باہر کھڑا سخت لہجے میں بول رہا تھا اور پھر واپس آیا تھا۔ اس کا اترا چہرا دیکھا تھا۔

"ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں صفیہ!" وہ اس کے سامنے آ کر رکا تھا۔

"مجھے لگا تھا، میرے پاس پاور فل پوزیشن ہوگی، گھر ہوگا، پیسے ہوں گے تو مجھے کسی کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ لیکن میں غلط تھی۔" وہ سر جھکا کر بولی تھی۔

"بابا نہیں تھے، تو چچا تھے، اور وہ تھے تو لگتا تھا دنیا کوئی الگ ہی جگہ ہے۔ وہ گئے تو آپ آ گئے۔ زندگی خوب صورت نہیں تھی لیکن محفوظ تھی۔ اور آپ نہیں ہیں تو لگتا ہے سر پہ چھت نہیں ہے۔ مجھے آپ کی ضرورت ہے۔ رئیسہ بھابھی نے ٹھیک کہا تھا۔ میں آپ کو چھوڑ نہیں سکتی۔ باہر کی دنیا واقعی پریوں کی کہانی جیسی نہیں ہے۔"

"چھوڑ نہیں سکتیں صفیہ! تو معاف کر دو نا۔" وہ تھکی تھکی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اتنا برا انسان بھی نہیں ہوں یار، میں ہرٹ تھا اور میں نے اپنی تکلیف میں تمہیں بھی تکلیف دی۔"

صفیہ نے ایسے ہی جھکے سر کے ساتھ آنسو صاف کیے تھے۔

"گھر جانا ہے تو چھوڑ آؤں۔" نرمی سے آذر نے گہرا سانس لیا تھا۔ اور صفیہ نے اس کی شکل دیکھی تھی۔ اس آدمی کے نام کا ٹیگ اس کے ساتھ نہ ہوتا تو اس سے آگے اس کی سوچ جا ہی نہیں سکی تھی۔

"مجھے واپس نہیں جانا۔" اس نے سر نفی میں ہلایا تھا اور کھڑی ہوئی تھی۔ "مردان جا سکتی ہوں؟"

فضا جیسے ایک دم سے ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔

"مردان...... اس وقت؟" آذر نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھ کر ایسے ظاہر کیا تھا جیسے یہ کہیں جانے کا بڑا ہی کوئی نامناسب وقت تھا۔

"کیا وقت ہوا ہے؟" صفیہ نے ابرو اچکا کر اس کا ہاتھ تھام کر گھڑی پہ وقت دیکھا تھا۔

"دس ہی تو بج رہے ہیں۔ آپ بارہ بجے بھی واپس آ جاتے تھے، یاد ہے نا؟"

"باہر دھند ہے اور ڈرائیور بے چارا تھکا ہوا ہوگا۔ تو یہاں ہی رک جاؤ، تم ویسے بھی ڈیوٹی پہ ہو صفیہ! صبح واپس آنا پڑے گا۔" آذر سرسری سے لہجے میں بولا تھا۔

"یہ مہمان نوازی کتنے دنوں کے لیے؟" صفیہ نے بالوں کو اونچی پونی میں باندھتے ہوئے اس کو دیکھا تھا۔

"ساری زندگی کے لیے۔ لیکن تم جتنے دنوں تک چاہو، رک سکتی ہو۔" وہ جیب سے اس کا بریسلیٹ نکال کر اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بولا تھا۔

"تو یہ صلح کی کہانی تھی۔ جس کا رنگ زمرد جیسا سبز نہیں تو درختوں کے پتوں اور ہریالی جیسا سبز ضرور ہوتا کیونکہ اس میں تحفظ اور سکینت کی ٹھنڈک تھی۔ اور یہ ایک نئی شروعات کی علامت تھی۔

☆☆